اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ

بے شک یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے

تفسیر مدارک اردو

تالیف

امام المفسرین عبداللہ بن احمد نسفی حنفی

اردو ترجمانی

مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیری استاذ دارالعلوم دیوبند

ابن امام العصر حضرت العلامہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری

ناشر: خضر راہ بک ڈپو، دیوبند یو-پی

۷۸۶

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

مدارک اُردو

تالیف

امام عبداللہ ابن احمد نسفی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ترجمہ قرآن پاک

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ

اردو ترجمانی

مولانا السیّد محمد انظر شاہ صاحب کاشمیری

پارہ تلک الرسل

جزء پانچواں

شائع کردہ

خضر راہ بک ڈپو دیوبند یو، پی

(دینی پرنٹنگ پریس دہلی)

(قیمت دو روپے)

مکتبہ خضرِ راہ "دیوبند" کی ایک نادر پیش کش

عقائدِ دیوبند اور اہلِ سنت والجماعت پر ایک معرکۃ الآرا، کتاب

"اسلامی عقیدے"

تالیف:- از حضرت علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ

اردو ترجمہ:- حضرت مولانا محمد انظر شاہ کشمیری استاد دارالعلوم دیوبند

ہمارا عقیدہ کیا ہونا چاہیئے؟ خدا تعالیٰ کی صفات کیا ہیں، وہ اگر ایک ہے تو کیوں؟ وہ عالم کا پالنہار کس لیئے ہے؟ وہ قادر کیوں ہے وہ قدیر کس طرح ہے؟ اس نے اس دنیا کو کیوں پیدا کیا؟ یہ دنیا کس طرح چل رہی ہے؟ نبوت کیا ہے؟ انبیاء کون ہیں؟ رسالت و نبوت کے بارے میں اسلامی تصورات، مذہب اسلام کی حقانیت، تمام مذاہب کا مکمل بطلان، تمام غلط افکار و نظریات کی تردید۔ قیامت، صورِ اسرافیل، ملکُ الموت، موت اور اس کے مرحلے، عالمِ قبر، سوال وجواب، محشر، جنت وجہنم، پلصراط، حساب وکتاب، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت، خلافتِ راشدہ، شیعہ فرقہ کی تردید اور مذہب اہلِ حق کی وضاحت، تقیہ کی حقیقت، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل، سیدنا ابو بکر الصدیق رضؓ کی خلافتِ قائمہ، عمر فاروق رضؓ کا عہدِ معدلت گستر، اور ایسے ہی ہزاروں عنوانات پر اسلامی عقیدوں کا دفتر نایاب، یہ کتاب اسلامی عقیدہ اور دیوبند کے مکتبۂ فکر کی مکمل ترجمان ہے، اس کی گوناگوں خصوصیات ہی کی بناء پر حضرت العلامہ مولانا السید محمد انور شاہ صاحب کشمیری مرحوم فرماتے تھے کہ:-

"اسلامی عقیدہ کے سلسلے میں ایسی نایاب ونادر کتاب میری نظر سے نہیں گذری"

یہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مرحوم، جو ہندوستان میں فنِ حدیث کے امام اور سرخیل ہیں، کی ایک فارسی کتاب تکمیل الایمان کا مکمل اردو ترجمہ ہے، جابجا، مترجم کے قلم سے نادر ونایاب حاشیئے درج ہوتے ہیں۔ شروع میں علم عقائد وکلام پر ایک مبسوط مقدمہ جس میں "کلام" کے تمام مکاتیبِ فکر کی تاریخ، اس علم کے مختلف مراحل اور موڑ سامنے آگئے۔ کتاب پریس میں جاچکی ہے۔ جلی اور روشن کتابت، خوبصورت ٹائٹل، ڈسٹ کور، ظاہری اور معنوی خوبیوں کا حسین ترین مرقع۔ آرڈر جلد بُک کرائیے۔ ایک ایڈیشن ختم ہوچکا، کہیں ایسا نہ ہو کہ انتظار کرنا پڑے۔ پاکستانی خریدار ڈاکخرچ وقیمت کا منی آرڈر حسبِ ذیل پتہ پر روانہ کرکے رسید ہم کو بھیجدیں۔ قیمت غیر مجلد تین روپے پچیس ۲۵ پیسے۔ مجلد تین روپے پچھتر ۷۵ پیسے

ہندوستانی پتہ یہ ہے:-

خضر راہ بک ڈپو دیوبند ضلع سہارنپور یوپی (انڈیا)

پاکستانی پتہ یہ ہے:-

حضرت مولانا محمد صاحب انوری مکان ۲۲۳ مین بازار سنت پورہ لائل پور (مغربی پاکستان)

فہرست مضامین تفسیر مدارک اُردو جزء پنجم ۵

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۱	نزول کتاب، محکمات و متشابہات، اہل زیغ اور اہلِ ایمان وعلم کی جدا جدا راہیں	۷
۲	وفد نجران اور ان سے مناظرہ	۸
۳	متشابہات میں گفتگو باطل پرستی کی علامت	۹
۴	چند دعائیں	۱۰
۵	کچھ کام نہ آئے گا	۱۳
۶	ایک واضح اعلان	۱۴
۷	حق و باطل کا معرکہ، بدر کی جنگ، کفار کی ہزیمت، مؤمنین کا غلبہ و تسلّط	۱۵
۸	انسان کے دل و دماغ مزعومات کی سنہری جال میں	۲۰
۹	نیکی کی نشاندہی	۲۱
۱۰	اسلام ہی صرف خداتعالیٰ کا پسندیدہ اور منتخب مذہب ہے	۲۵
۱۱	آیات اللہ کا انکار	۲۵
۱۲	دنیا کا سب سے بڑا جرم، آیات اللہ کا انکار اور جماعتِ انبیاء کا دردناک قتل ہے	۲۸
۱۳	مرکزِ اقتدار	۳۰
۱۴	کفار سے ترکِ موالات	۳۲
۱۵	ایک باطل اور بے وقت تمنّا	۳۳
۱۶	اتباع رسول ہی دراصل خداتعالیٰ سے حقیقی محبت ہے	۳۵
۱۷	یہ انبیاء کرام خلاصۂ عالم ہیں	۳۶
۱۸	ایک عجیب واقعہ، مریم کی پیدائش اور کلیسا کی خدمت	۳۷
۱۹	مریم عذرا	۳۷
۲۰	مریم کا نشوونما، عہدِ طفلی و جوانی کی کرامات حضرت زکریا علیہ السلام کی مقبول دعائیں	۴۰
۲۱	مومنہ قانتہ کے جواب سے زکریا علیہ السلام کے جذباتِ بندگی میں تموج، نسلِ زکریاؑ کی شادابی کی مخلصانہ دعائیں اور قبولیتِ دعا کی بشارت	۴۱
۲۲	کلمۃ اللہ کا ظہور، سیدہ مریم کو بعض احکام، یہودیوں کی شرارت اور ان کا قدرتی توڑ	۴۸
۲۳	سیدہ مریمؑ کی حیرت	۴۹
۲۴	یہودیوں کی ایک خوفناک سازش اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اقدام	۵۰
۲۵	عیسیٰ علیہ السلام کا رفع آسمانی	۵۵
۲۶	مباہلہ	۵۸
۲۷	دعوتِ توحید و اسلام	۶۷
۲۸	اہلِ کتاب کا ایک اور غلط دعویٰ اور اس کی تردید	۶۸
۲۹	یہ ارادے	۶۹
۳۰	ایک اور سازش	۷۱
۳۱	اہلِ کتاب کی دیانت	۷۲
۳۲	عہد شکنی، دین فروشی آخرت سے محرومی کا باعث ہے	۷۵
۳۳	انبیاء علیہم السلام سے ایک عہد	۷۹
۳۴	ارتداد اور اس کی سزا	۸۳
۳۵	متاعِ گراں و زر کو راہِ خدا میں خرچ کرو	۸۷
۳۶	دنیا کے بتکدے میں پہلا وہ گھر خدا کا	۸۸
۳۷	امنِ عالم کا مرکز	۸۹
۳۸	حج کیجیے	۹۰
	اہلِ کتاب سے ایک سوال	۹۱

اہلِ رائے کی نظر میں

(۱) مفسر قرآن حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کا تبصرہ "صدقِ جدید" میں

تفسیر مدارک اردو۔ مکتبہ خضر راہ دیوبند، (یو۔پی)

حنفیہ کے ہاں مستند ترین تفسیر فقہ و کلام کے نقطۂ نظر سے امام ابو عبداللہ نسفی کی مدارک التنزیل ہے۔ دلی خوشی کی بات ہے کہ دار العلوم دیوبند کے استاذ تفسیر مولانا انظر شاہ نے اسے اردو میں منتقل کرنا شروع کر دیا ہے چنانچہ چار حصوں میں اس وقت تک پوری سورۂ بقرہ منتقل ہو آئی ہے اور فاضل مترجم نے اس پر مفید حاشیوں کا اضافہ کر کے اور اس میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔

اُردو میں جہاں صدہا خرافات بڑی تیزی سے داخل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ شکر ہے کہ دینی بلکہ قرآنی علوم کا بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

(ہفتہ وار "صدقِ جدید" لکھنؤ۔ ۱۶ر شوال المکرم ۱۳۸۴ھ)

---

(۲) مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی، صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا تبصرہ "برہان" میں

"تفسیر مدارک عربی زبان کی مشہور کتاب ہے جو بعض مدارس کے نصاب تعلیم میں بھی شامل ہے، زیر تبصرہ کتاب جو قسط وار شائع ہو رہی ہے، اسی کا اردو ترجمہ ہے، ترتیب یہ ہے کہ پہلے قرآنی متن ہوتا ہے، اُس کے نیچے اُس کا اُردو ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح کا کیا ہوا، پھر تفسیر کا ترجمہ، مترجم ماشاء اللہ جیّد عالم اور پختہ استعداد نوجوان ہیں، اس لئے ترجمہ کی سلامت، شگفتگی اور اُس کی صحت میں کلام نہیں، پھر یہ صرف ترجمہ نہیں بلکہ موصوف نے جابجا تحقیقی یا تشریحی نوٹ بھی لکھے ہیں اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو دیندار مسلمان اُردو زبان میں قرآن مجید کے حقائق و معانی اور اس کے مطالب سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے تفسیر مدارک کا یہ اُردو ترجمہ ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں ہونا چاہیئے

(ماہ نامہ "برہان" دہلی ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ ہجری)

سورۂ آلِ عمران

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

الٓمٓ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہیں سب چیزوں کے سنبھالنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس قرآن بھیجا ہے واقعیت کے

مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ

ساتھ اس کیفیت سے کہ وہ تصدیق کرتا ہے اُن کتابوں کی جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں اور بھیجا تھا توریت اور انجیل کو اس کے

قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

قبل لوگوں کی ہدایت کے واسطے اور اللہ تعالیٰ نے بھیجے معجزات بے شک جو لوگ منکر ہیں

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰهَ

اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے اُن کے لئے سزائے سخت ہے اور اللہ تعالیٰ غلبہ والے ہیں بدلہ لینے والے ہیں بے شک اللہ تع

لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ

سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے زمین میں اور نہ آسمان میں وہ ایسی ذات ہے کہ تمہاری صورت بناتا ہے

فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ هُوَ الَّذِیْٓ

ارحام میں جس طرح چاہتا ہے۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے۔ وہ غلبہ والے ہیں حکمت والے ہیں وہ ایسا ہے

اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ

جس نے نازل کیا تم پر کتاب کو جس میں کا ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو کہ اشتباہ مراد سے محفوظ ہیں اور یہی آیتیں اصلی مدار ہیں کتاب

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ

کا اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو کہ مشتبہ المراد ہیں سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو مشتبہ المراد ہے شورش ڈھونڈھنے کی

الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ج وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ م وَالرَّاسِخُونَ فِي

غرض سے اور اُس کے مطلب ڈھونڈھنے کی غرض سے۔ حالانکہ اُس کا مطلب بجز حق تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا۔ اور جو لوگ علم میں

الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ لا كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ج وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو

پختہ کار ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں۔ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں

الْأَلْبَابِ ○ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن

جو کہ اہل عقل ہیں اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے بعد اس کے کہ آپ ہم کو ہدایت کر چکے ہیں اور ہم کو اپنے پاس سے

لَّدُنكَ رَحْمَةً ج إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ○ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ

رحمت عطا فرمائیے بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں اے ہمارے پروردگار آپ بلاشبہ تمام آدمیوں کو میدان حشر میں

لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ م إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ○ ع

جمع کرنیوالے ہیں اُس دن میں جس میں ذرا شک نہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ خلاف کرتے نہیں وعدہ کو۔

ع ۹/۸

الف، لام، میم، اللہ وہ ہے کہ کوئی خدا ان کے علاوہ نہیں ہے، زندہ (خدا ہے) سب کا سنبھالنے والا (خدا ہے) اسی نے یہ کتاب آپؐ پر نازل کی ہے جس کا نزول قطعی (یا مضامین قطعی ہیں) ان کی تصدیق کرنے والی ہے جو کتابیں پہلے آچکی ہیں، اور اسی نے اتارا تھا تورات و انجیل کو قرآن مجید سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے، اور اسی نے فرقان کو اتارا ہے، یقیناً ان لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے جنھوں نے آیات اللہ سے کفر کیا، اللہ بڑا زبردست ہے بڑا بدلہ لینے والا ہے، بے شک اللہ ایسا ہے کہ اس سے کوئی چیز چھپی نہیں رہتی، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں، وہی خدا ہے جو تمہاری صورت رحموں کے اندر بناتا ہے جس طرح وہ چاہتا ہے، کوئی خدا نہیں بجز اس کے، وہ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے۔ وہ وہی خدا ہے جس نے آپؐ پر کتاب اتاری ہے اس میں محکم آیات ہیں اور وہی حصہ کتاب کا مدار ہے اور دوسری آیات متشابہ ہیں سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو متشابہ ہے محض فتنہ جوئی کے لیے اور مطلب خلط ملط کر دینے کے لیے، دراں حالے کہ کوئی اس کا صحیح مطلب نہیں جانتا بجز اللہ کے، اور جن کا علم صحیح و پختہ ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لے آئے، وہ سب ہی ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، اور نصیحت تو بس عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کر، بعد اس کے کہ تو ہم کو سیدھی راہ دکھا چکا، اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا کر، بے شک آپ بہت عطا کرنے والے ہیں اے ہمارے پروردگار آپ اس دن سب کو جمع کرنے والے ہیں جس دن کے وقوع میں ذرا بھی شبہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا۔

نزولِ کتاب، محکمات و متشابہات، اہلِ زیغ اور اہلِ ایمان و علم کی جُدا جُدا راہیں

الٓمٓ، ترکیب نحوی کے اعتبار سے "اللہ" مبتدا تھا اور "لا الٰہ الا ھو" اس کی خبر ہے نیز "لا" کی خبر مقدر ہے پوری عبارت اس طرح ہوگی کہ "لا الٰہ فی الوجود الا ھو" یہ کلمہ مرفوع ہوگا کیونکہ "لا" اور اس کے اسم سے بدل واقع ہے اور "لا" اور اس کا اسم محل رفع میں تھے اس لیئے ان کا بدل بھی محلاً مرفوع ہوگا، "الحیّ القیوم" ایک محذوف مبتدا کی خبر ہے یعنی "ھو" مبتدا ہے لیکن محذوف ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ "ھو" سے بدل ہو "قیّوم" فیعول کے وزن پر ہے، قام سے ماخوذ ہے، قیوم اس کو کہتے ہیں جو انصاف کو بخوبی قائم رکھنے والا ہو، اور تمام انسانوں کے جملہ معاملات اور ان کے اعمال کی پوری خبر رکھنے والا ہو۔ ارشاد ہے کہ اسی حی و قیوم نے آپ پر ایک کتاب نازل کی ہے (قرآن مجید اس کے نزول میں کوئی شبہ نہیں، وہ لوگ انتہائی غلطی پر ہیں جو قرآن مجید کو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف سمجھتے ہیں العیاذ باللہ) یہ نازل شدہ کتاب یعنی قرآن مجید سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے نزولِ قرآن سے پہلے تورات و انجیل کو نازل فرمایا تھا۔ (تورات و انجیل عجمی یعنی غیر عربی الفاظ ہیں بعض لوگوں نے بلا وجہ ان کو عربی الفاظ سمجھ کر ان کا ماخذ بھی بیان کر دیا مثلاً تورات کو "وری" سے اور انجیل کا ماخذ "نجل" بتایا حالانکہ یہ صحیح نہیں اور تو اور ان کا وزن بھی متعین کرتے ہوئے کہدیا کہ تفعلۃ اور افعیل کے وزن پر ہیں حالانکہ یہ سب تحقیقات اس وقت مطلوب ہوتیں جبکہ ان کا عربی ہونا بھی ثابت ہو) یہاں یہ اہم فرق ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید نے نزولِ قرآن کے لیئے "تنزیل" سے فعل استعمال کیا یعنی "نزّل" جو کسی چیز کے تدریجی نزول پر دلالت کرتا ہے اور یہ قرآن مجید کے نزولِ تدریجی کی بالکل صحیح ترجمانی و تعبیر ہے، بخلاف تورات و انجیل کے کہ وہ یکبارگی نازل ہوئیں اور اسی لیئے قرآن مجید نے ان کے لیئے انزال اختیار کیا جو یکبارگی نزول کی تعبیر ہے، یہ تورات و انجیل ظاہر ہے کہ قرآن مجید سے پہلے نازل کی گئی تھیں، قرآن مجید نے ان کے متعلق بتایا کہ یہ قوم موسیٰ علیہ السلام (تورات) اور قوم عیسیٰ علیہ السلام (انجیل) کے لیئے نسخہ ہدایت تھیں اور ہو سکتا ہے کہ تمام لوگوں کے لیئے ان دونوں کتابوں کو باعث ہدایت بتایا گیا ہو۔

پھر ارشاد ہے کہ ہم نے "فرقان" نازل کیا، بعض علماء کے خیال میں اس فرقان سے کوئی مخصوص کتاب مراد نہیں بلکہ تمام ہی آسمانی کتابیں مراد ہیں کیونکہ حق و باطل کا امتیاز جو فرقان کا ترجمہ ہے تمام آسمانی کتابوں کا ایک مشترک وصف ہے، دوسرے بعض علماء نے فرقان سے زبور مراد لی ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی۔ اور اکثر کی رائے ہے کہ فرقان سے قرآن مجید ہی مراد ہے اور اگرچہ قرآن مجید کا پہلے ذکر آچکا تھا (نزل علیک الکتاب میں) لیکن اس کا مکرر تذکرہ قرآن مجید کی عظمت و رفعت کے پیش نظر ہے، عظیم الشان چیزوں کا تذکرہ بار بار کیا ہی جاتا ہے، فرماتے ہیں وہ لوگ جو ہماری نازل کردہ کتابوں کے مضامین کا انکار کرتے ہیں ان پر ہمارا شدید عذاب یقیناً آکر رہے گا اس کو مشکل نہ سمجھیے اگر ہمارے غالب ہونے اور ساتھ ہی جرائم پر انتقام لینے کا علم ہو تو پھر شدید عذاب کی اطلاع کو قبول کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں زمین و آسمان میں موجود تمام اشیاء کا ان کو پورا پورا علم ہے۔ زمین و آسمان سے تمام دنیا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک کافر کے کفر پر ہم ٹھیک اسی طرح مطلع ہیں جیسا کہ مومن کا ایمان ہمارے علم میں ہے، جزاء و سزا کے معاملہ میں ہم چُوک نہیں سکتے۔ اگر کافر کے احوال اور مومن کے حالات پر ہم کو اطلاع نہ ہوتی لیکن اب جب کہ ہم پوری

طرح واقف اور مطلع ہیں تو کافر کو سزا اور مؤمن کو جزا، ضرور دیں گے۔
ارشاد ہے کہ رحمِ مادر میں خدا تعالیٰ ہی انسان کو جس صورت پر چاہتے ہیں ڈھال دیتے ہیں اس لیئے وہی معبود برحق ہیں، سلطان ہیں اور ان کے تمام کام مصلحت وحکمت سے لبریز ہیں۔

وفدِ نجران اور ان سے مناظرہ

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں بنو نجران کا وفد آیا اس میں ساٹھ آدمی تھے، امیرِ وفد عاقب نامی ایک عیسائی تھا، وفد میں شریک سربرآوردہ اشخاص تھے، مذہبی راہ نما بھی اور نجران کے سیاسی دور اندیش افراد بھی، بلکہ عیسائیوں کا سب سے بڑا مذہبی رہنما پادری ابو حارثہ بھی تھا، انھوں نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں براہِ راست گفتگو کی کہنے لگے کہ آپؐ ہی بتایئے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے باپ (العیاذ باللہ) خدا تعالیٰ نہیں تو پھر کون ہے؟ اس پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ بچہ کو اپنے باپ کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت ضرور ہوتی ہے اس پر بولے کہ ہاں یہ بات تو ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب تم بھی یہ مانتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے عقیدہ کے مطابق بھی زندہ ہے اور اس پر فنا کبھی طاری نہ ہوگی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام پر عام انسانوں کی طرح موت طاری ہوگی۔ اور یہ بھی یقینی ہے کہ خدا تعالیٰ تمام مخلوقات کے معاملات کی نگرانی فرماتے ہیں، ان کی حفاظت فرماتے ہیں، ان کے لیئے رزق کا انتظام فرماتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان تمام امور میں سے کسی کا بھی اختیار نہیں رکھتے تھے، اور اس پر بھی غور کرو کہ اللہ زمین وآسمان کی ہر چیز جانتے ہیں کوئی چیز ان سے پوشیدہ نہیں۔ اور رہے عیسیٰ علیہ السلام تو ان کو صرف اتنا ہی علم تھا جتنا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو دیا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی نے عیسیٰ علیہ السلام کو رحمِ مادر میں ایک صورت پر ڈھال دیا۔ سو ان کی والدہ حاملہ ہوئیں اور پھر عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، اپنی والدہ کا اسی طرح دودھ پیا جیسا کہ عام بچے اپنی ماں کا دودھ پیتے ہیں، وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے، انھیں پیشاب پاخانہ کی حاجت ہوتی اور معبودِ برحق، تو کھانے، پینے اور باقی انسانی حوائج سے بالکل پاک ہے۔
آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مدلل گفتگو پر وفدِ نجران بالکل ہی خاموش ہوگیا اور ان سے کوئی جواب نہ بن سکا۔
مفسرین نے لکھا ہے کہ سورہ آل عمران کی تقریباً ابتدائی اسی آیات خاص اسی وفدِ نجران سے مناظرہ سے متعلق ہیں، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر قرآن مجید نازل کیا اس قرآن مجید کا ایک حصہ محکم ہے جس میں کسی احتمال کی گنجائش نہیں نہ ان آیات میں کوئی اشتباہ۔ بلکہ یہی محکمات والا حصہ قرآن مجید کا حاصل ومغز ہے تا آنکہ متشابہات کو بھی انھیں محکمات کے مطابق کہا جانا چاہیئے اور قرآن مجید کا دوسرا حصہ "متشابہات" ہے جس میں بہت سے احتمالات ہوسکتے ہیں مثلاً قرآن مجید میں ہے کہ "الرحمٰن علی العرش استوی" لغتِ عرب کی رُو سے استواء کے معنیٰ بیٹھنے کے بھی آتے ہیں، قدرت بھی اسی لفظ کے معنیٰ ہیں اور غلبہ وسطوت کے معنیٰ میں بھی یہ لفظ استعمال ہے لیکن سب جانتے ہیں کہ استواء کا ترجمہ اس آیت میں بیٹھنا تو ہرگز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بیٹھنے کے لیئے جسم ہونا ضروری ہے اور خدا تعالیٰ جیسا کہ معلوم ہے "جسم" نہیں۔ خود ان کا اپنے بارہ میں ارشاد ہے کہ "لیس کمثلہ شئی" یعنی ان جیسا کوئی نہیں۔
اور "محکم" ایسے احکام واوامر ہیں جن کا حکم خدا تعالیٰ نے ہر آسمانی کتاب میں دیا ہے مثلاً ارشاد ہے "قل تعالوا اتل ما حرّم ربّکم علیکم" یعنی ان منکرین سے آپ فرمایئے کہ آؤ میں تم کو بتاؤں کہ خدا تعالیٰ نے تم پر کیا چیزیں

حرام کیں، یا ایک اور موقع پر ارشاد ہے کہ "وقضیٰ ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ" "خدا تعالیٰ کا حتمی فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو معبود نہ بنایا جائے، یہ تو محکم ہوا، اس کے خلاف اور حقیقت و معنی کے اعتبار سے اس سے مختلف وہ متشابہ کہلاتا ہے، بعض علمار نے متشابہ کی تعریف یہ بھی کی ہے کہ جس میں صرف ایک ہی معنی کا احتمال ہو وہ متشابہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جس میں چند معانی ممکن ہوں وہ متشابہ ہے۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس کی تاویل و معنی نہ ہو سکیں وہ متشابہ ہے اور یہ بھی متشابہ ہی کے معنی ہیں کہ اس کے معنی و تاویل ہو سکے، اور یہ بھی متشابہ ہی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ناسخ ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے یا منسوخ ہے جس پر عمل نہیں ہو سکتا، بہر حال "متشابہ" کی تعریف میں کافی اختلاف ہے، یہاں ایک اشکال ضرور پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے تمام قرآن مجید کو محکم کیوں نہیں رکھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل متشابہ سے حق پر قائم رہنے والوں اور باطل پرستوں کے درمیان فرق قائم کرنا تھا۔ علمار اپنے اذہان متشابہ کی حقیقت تلاش کرنے میں لگائیں، پھر ان کو علوم و انوار کے ذخیرہ پر اطلاع ہو، جس سے خدا تعالیٰ کے یہاں ان کے درجات و مراتب بڑھ جائیں یہی سب کچھ مقاصد تھے جس کی وجہ سے پورا محکم نہیں بلکہ اس کا کچھ حصہ متشابہ بھی ہے

متشابہات میں گفتگو باطل پرستی کی علامت ہے

ارشاد ہے کہ جو لوگ محکم کو چھوڑ کر متشابہ کی حقیقت کو معلوم کرنے کا کام اپنے لیے منتخب کر لیتے ہیں اور یہ بھی کسی اچھے ارادہ و نیک نیتی کے ساتھ نہیں بلکہ لوگوں میں نئے نئے فتنے اٹھانے کے لیے اور اپنے ذہن کی غلط اپجوں کی قرآن مجید سے سند حاصل کرنے کے لیے، سمجھو کہ ایسے لوگ گمراہ پسند ہیں، کج دل، کج اندیش اور حق پرستی کے جذبات پاکیزہ سے ان کا دل و دماغ قطعاً خالی ہے، حالانکہ متشابہ کی حقیقت کیا ہے اس کو خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ یا اس تاویل و معنی کی طرف کوئی راہ نمائی جو صحیح ہو اگر کر سکتا ہے تو صرف خدا تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ لیکن وہ لوگ جن کا علم پختہ، علم صحیح اور اس پر عمل بھی ہے متشابہ کی تاویل نہیں کرتے نہ اس کو معلوم کرنے کی جد و جہد میں اپنے اوقات صرف کرتے ہیں۔ اگر کہتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جو کچھ بھی مراد ہے ہم اس پر سچے دل کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، اکثر علمار کی رائے یہ ہے کہ "والراسخون فی العلم" سے ایک نئی بات شروع ہوئی اس کا پہلے کلام و جملہ سے تعلق نہیں بلکہ "ما یعلم تاویلہ الا اللہ" پر وقف کرنا ضروری ہے، یہ علمار کہتے ہیں کہ متشابہ کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے چنانچہ ان کے خیال میں "والراسخون فی العلم" ترکیب نحوی کے اعتبار سے مبتدا ہے اور "یقولون آمنّا بہ" اس کی خبر ہے، گویا کہ خدا تعالیٰ نے ان کی اس ادا کو پسند فرمایا اور اس کی تعریف کی کہ یہ رضا و تسلیم کے پیکر ہیں انھیں کسی چیز کی غلط و صحیح تاویلات کا شوق نہیں اگر کوئی چیز ان کو جزماً معلوم نہیں تو یہ ایسا نہیں کرتے کہ اس کی غلط تاویلات کا انبار لگا دیں بلکہ یہ اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہ ہم کچھ نہیں جانتے، ان کا حقیقی مطلب خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے اور جو کچھ اس کی مراد ہے اس کی درستگی پر ہم ایمان و یقین رکھتے ہیں، گویا کہ ان علمار کی رائے میں قرآن مجید میں متشابہ اس لیے ہے تاکہ بندہ ان پر ایمان لائے، اللہ تعالیٰ کی جو مراد ہے اس مراد کے درست و صحیح ہونے کا یقین رکھے، اس کا اعتراف کرے کہ انسانی فکر و نظر، ابھی اتنی کامل نہیں کہ وہ ان حقائق کے لبریز خزانوں کی صحیح دریافت کر سکے، یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے کہ وہ جتنا چاہیں علم دیں، علوم و معارف پر بندہ کی دستگاہی اس قدر ناقص ہے کہ چند الفاظ کے مرکب مرقعے اس

سے دریافت نہیں ہو سکتے۔ ابی بن کعب نے ان آیات کی جس طرح قرات کی ہے اس سے جمہور کی اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے کہ واقعی اہل علم صرف ایمان کا اعلان کریں، گمراہ پسندوں کی طرح غلط سلط تاویلات کے درپے نہ ہوں۔

اس کے مقابل میں ایک دوسرے طبقہ کی رائے یہ ہے کہ اہل علم متشابہ کی تاویل ومعنی جانتے ہیں اور اسی علم وواقفیت کا نتیجہ ہے کہ ان کا ضمیر اس تاویل ومعنیٰ پر بے تکلف ایمان ویقین کا اعلان کرتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ محکم ہو یا متشابہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے وہ ایسا حکیم ہے جس کے کلام میں لفظی ومعنوی کوئی تناقض اور تضاد نہیں۔ ارشاد ہے کہ تسلیم ورضا، یا ایمان ویقین کی یہ دولت، اہل عقل کو عنایت کی جاتی ہے، گویا کہ یہ آخری جملہ آیت، پختہ کاروں کی تعریف ہے کہ وہ متشابہ کی صحیح ــــ دریافت کر چکے ہیں۔

چند دعائیں

اے اللہ ہمارے دلوں کو ہدایت وحق سے ہٹاکر، گمراہی وباطل پرستی کی طرف نہ لگایئے حالانکہ آپ ہم کو ہدایت عنایت فرما چکے ہیں، ہدایت کے بعد گمراہی بڑی بدقسمتی ہے، محکم پر عمل، متشابہ پر تسلیم ورضا، ایک ہدایت تھی، اب عمل سے محرومی یا متشابہ پر بے یقینی، گمراہی ہوگی۔ اے ہمارے رب ہم اس گمراہی سے سچے دل سے پناہ مانگتے ہیں، اے ہمارے اللہ، ہم کو صحیح توفیق آپ ہی دیجئے، عمل بالمحکم اور ایمان علی المتشابہ کی، واقعی آپ بہت فیاض، بے حد دینے والے ہیں، اے ہمارے اللہ، آپ تمام کائنات کے انسانوں کو ایک ایسے دن میں ضرور جمع کریں گے جس کا واقع ہونا یقینی ہے اس دن انسانوں کے فکر وعمل، نیت واخلاص، حق پروری، وگمراہی، زیغ پرستی وباطل آرائی سب کچھ کھل کر سامنے آجائیگی انصاف کی ترازو، اس کے پلّے، انسانی عمل وفکر، ایمان وبطلان کو تول کر رکھدیں مولائے کریم بس اسی دن کی رسوائی سے بچانا آپ ہی کا کام ہے اے اللہ آپ اپنے وعدہ میں کبھی خلاف نہیں فرمائیں گے۔ مومن کو ثواب اور کفار پر عذاب کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے یہ وعدہ ایک حقیقت ہے سچائی ہے جس میں ہرگز خلاف نہیں ہو سکتا، علماء کی رائے ہے کہ یہ سب دعائیہ کلمات انھیں پختہ کاروں کے ہیں جن کو قرآن مجید نے راسخین کہکر متعارف کرایا ہے۔

---

۷ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورۃ بقرہ ختم ہوئی اور اس کے بعد آلِ عمران شروع ہوئی ہے، مفسرین نے اس سورت کے اہم مضامین کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جنوب عرب میں جو علاقہ یمن کے نام سے مشہور ہے اس میں ایک مقام نجران نامی ہے یہاں عیسائی آبادی تھی سنہ ۹ھ میں یہاں کے عیسائیوں کا ایک وفد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا یہ وفد چودہ ارکان پر مشتمل تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت پر مناظرہ ہوا، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کامیابی کے ساتھ، عیسائی فرقہ کے ایک ایک عقیدہ کا بطلان فرمایا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے ایک انسان ہونے اور خدا نہونے پر بڑے اہم دلائل پیش کئے، وفد نجران، آپؐ کی گفتگو، اور آپ کی پوری پاکیزہ زندگی سے بھانپ گیا، کہ آپؐ نبی آخرالزماں ہیں۔ ایمان قسمت میں نہیں تھا، اس لئے بعض شرائط پر باجگذاری کا وعدہ کرکے یہ لوگ نجران روانہ ہوگئے۔ اس لئے اس سورت میں جابجا عیسائیت کے فکر وعقیدہ پر صاف اور واضح اشارے ملتے ہیں، قرآن مجید کی ہر سورت کو اپنے سے پہلی سورت سے مضمون اور مطالب کے اعتبار سے ایک گونہ مناسبت ہوتی ہے چنانچہ سورۃ آلِ عمران مطالب ومضامین کے اعتبار سے، بقرہ سے بہت گہری مناسبت رکھتی ہے۔ علامہ آلوسی زادہ روح المعانی میں اسی حقیقت پر رقمطراز ہیں کہ:۔

سورۃ آلِ عمران میں اکثر ان مختصر اشاروں کی تفصیل ہے جو کہ	ووجهه مناسبتها لتلك السورة ان كثيرًا من مجملاتها

سورۂ بقرہ میں زیر بحث آئے تھے، سورۂ بقرہ گویا کہ من جانب اللہ ایک "حجت" تھی۔ آلِ عمران میں پیدا ہونے والے شبہات کا جواب دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر وہ مضامین، آلِ عمران میں مکرّر ملتے ہیں جو بقرہ میں ذکر ہو چکے مثلاً نزول کتاب، الہامی کتابوں کی تصدیق ہدایت وغیرہ یہ مضامین آلِ عمران اور بقرہ کے مشترک مضامین ہیں

تشرح بما فی هذه السورة وانَّ سورة البقرة بمنزلة اقامة الحجة وهذه بمنزلة ازالة الشبهة ولهذا تكرّر فيها ما يتعلق بالمقصود الذى هو بيان حقيقة الكتاب، من انزال الكتاب وتصديقه للكتب قبله، والهدى الى صراط المستقيم

اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید ابتدا ئے سورت میں جو الفاظ، مختصر جملے، تا آنکہ خدا تعالیٰ کی صفات ذکر کرتا ہے اگر ان پر صحیح غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سورۃ میں کیا مضامین زیر بحث آ رہے ہیں، مثلاً اسی آلِ عمران کے بالکل ابتدا میں "اللہ لا الٰہ الا ھو الحیّ القیّوم" کا خصوصی ذکر ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس مکمل سورت کا نچوڑ، مسئلہ توحید ہے اور ربوبیت باطلہ کے نظریات پر کھلی اور واضح تنقید "الحیّ القیوم" کی صفات، خدا تعالیٰ کے ایک ہونے کی جامع دلیل ہیں وہ سدا زندہ ہیں (حی) اور ان کے علاوہ ہر چیز فانی تا آنکہ حضرت عیسیٰ بھی فنا کے طاری ہونے سے محفوظ نہیں اور یہی خط فاصل خدا اور بندہ کے درمیان ہے خدا تعالیٰ سب کا نگرانِ کار، اور سنبھالنے والا ہے (قیوم) ان کے علاوہ انسانوں کے خود ساختہ اور تراشیدہ معبودانِ باطل، قیومت کے فرائض انجام دینے سے قطعاً قاصر ہیں۔

اگر وہ تورات و انجیل نازل کر سکتا ہے تو آپؐ پر قرآن مجید بھی نازل کیا جا سکتا ہے، معلوم ہوا کہ اس سورۃ میں نزولِ کتاب کے اہم مسئلہ سے بھی بحث کی جائے گی، ارشاد ہوا کہ "وہ رحمِ مادر میں جس طرح چاہیں بچہ کو صورت دیں" چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کے ایک غیر مانوس طریقِ پیدائش پر بھر اشکال کیسا، خدا تعالیٰ کی صورت گری پر یقین و اعتماد کے بعد، یہ منافی ایمان حرکت ہے کہ عادت کے خلاف ولادت پر گمراہی و ضلالت کا لبادہ اوڑھ لیا جائے۔ قرآن مجید کے دو حصے قرار دیئے گئے ایک "محکمات" دوسرا جزء "متشابہات"۔ متشابہات کی حقیقت کو دریافت کرنے کی کوشش، ذہن و فکر کی گمراہی قرار دی گئی، عیسائیوں کے تمام باطل عقائد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آسمانی کتابوں کی ان تعبیرات پر ہیں جو بالیقین متشابہ ہیں مثلاً کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا کہ وہ "روح اللہ" ہیں اور کبھی "کلمۃ منہ" کے الفاظ ان کے متعلق بیان میں آئے یہ متشابہات تھے ان کے صحیح مطالب کا علم خدا تعالیٰ ہی پر سونپ دینا ایمان تھا لیکن زیغ پسندوں نے انھیں شرعی معموں کے حل میں اپنی ایمان کی ساری پونجی لگا دی، اس سے معلوم ہوا کہ اس سورت کے ذیلی مباحث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرفہ تخلیق کا مسئلہ بھی پیشِ نظر ہے، بہرحال قرآن مجید کے ابتدائی کلمات و جملے تھوڑی سی دیدہ ریزی کے بعد، آنے والے اہم مسائل کا عنوان اور موضوع صاف معلوم ہوتے ہیں، اب آیئے اور قرآن مجید کی اس اہم ترین سورت کے مطالب پر نظر ڈالیئے۔ آیت الکرسی کی تشریحی تفصیلات میں "حی اور قیوم" کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا اس پر نظر ڈال لی جائے۔ نزول کتاب بالحق، کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے تمام مضامین و مطالب اس بات کی ایک واضح دلیل ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اس لیے کسی دلیل اور شہادت کی ضرورت نہیں ہے، یہ آخری الہامی صحیفہ یعنی قرآن حکیم اپنے سے پہلے آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے کہ اپنے اپنے اوقات میں حضرات انبیاء علیہم السلام پر اقوام و امم کی ہدایت کے لیے آسمان سے کتابیں نازل کی جاتی رہیں بس اتنی تصدیق اجمالی اس سلسلے میں کافی ہے" المنار" میں ہے کہ "فهذا تصديق اجمالى لاصل الوحى يتضمن تصديق ما عند الامم التى تنتمى الى اولئك الانبياء من الكتب" (یعنی یہ تصدیق مختصر کافی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر نزولِ کتاب ہوا) تورات (بقیہ برصفحہ ۱۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے مراد وہ پانچ اسفار ہیں جو اہل کتاب کے یہاں مشہور ہیں یعنی سفرِ تکوین جس میں دنیا کی ابتدا، اور بعض انبیاء علیہم السلام کے واقعات ہیں، سفرِ خروج، سفرِ لاویین، سفر العدد، سفرِ تثنیہ، اور تورات کا مطلب نصاریٰ کے خیال میں وہ تمام کتابوں کا مجموعہ ہے جس کو وہ "عہدِ عتیق" کہتے ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں تورات سے مراد وہ آسمانی صحیفہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا اسی طرح انجیل کے متعلق اہلِ کتاب کہتے ہیں کہ وہ چار کتابوں کا مجموعہ ہے یعنی پولس، پطرس، یوحنا، اور یعقوب کے رسائل وغیرہ اور قرآن کی زبان میں وہ صحیفہ آسمانی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا گیا، محکمات، عربی لفظ ہے اور "احکم الشیئ" سے ماخوذ ہے اس لفظ کے حقیقی معنی روک دینے کے آتے ہیں محکم کو محکم اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے مضبوط در و بست کے اعتبار سے کسی قسم کی غلط تاویل کی گنجائش نہیں رکھتا، حکم، حکمت وغیرہ تمام الفاظ اسی مادہ سے ماخوذ ہیں اور "روک دینے" کا مفہوم ان سب الفاظ میں موجود ہے، متشابہ کے متعلق اہلِ لغت نے لکھا ہے کہ اس کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے جن کے اجزاء و افراد ہوں۔ اور ان تمام اجزاء و افراد میں باہمی مشابہت ہو یعنی ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور ہم شکل ہوں۔ اسی وجہ سے اس کی تعین و تشخص مراد میں التباس و شبہ پیدا ہو جاتا ہے، اب محکمات اور متشابہات سے کیا مراد ہے؟ تو اس سلسلے میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ محکمات سے مراد سورۂ انعام کی وہ آیت ہے جس میں ارشاد ہے کہ "قل تعالوا اتل ما حرّم ربکم علیکم ان لا تشرکوا بہ شیئًا" (یعنی اے اہلِ کتاب آؤ میں تم کو بتاؤں کہ خدا تعالیٰ نے تم پر کیا حرام کیا سب سے پہلے تو حرام تم پر یہ ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو) علماء اس آیت کو اور اس کی بعد والی دو آیات کو صرف محکمات کہتے ہیں اور "متشابہات" کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ وہ مقامات، مطالب اور قرآن مجید کی تعبیریں ہیں جن میں یہود کو زبردست دھوکہ لگا، مثلاً قرآن مجید کی سورتوں کی ابتداء میں مقطعات وغیرہ اور یہ اس لیے کہ یہود نے ان مقطعات کو امتوں کی مدت پر محمول کیا چنانچہ اس سلسلے کی تمام کڑیاں قطعاً یہود کی بے راہ روی کی مثال ہیں۔ (۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "محکم" سے مراد ناسخ ہے اور متشابہ سے منسوخ (۳) محکم وہ ہے جس کی دلائل واضح اور صاف ہوں مثلاً خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا مسئلہ کہ خود بھی بے غبار اور اس کے دلائل بھی سورج کی روشنی سے زیادہ منور۔ اور متشابہ وہ ہے جس کو سمجھنے کے لیے غور و فکر کی ضرورت پیش آئے (۴) محکم وہ ہے جس سے معلومات حاصل ہو سکتے ہوں دلائل کے ذریعہ سے خواہ وہ دلائل جلی ہوں یا خفی، اور متشابہ سے علم حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ قیامت کے متعلق تعین وقت، یا قیامت میں اعمال کے وزن کا مسئلہ (۵) ابن جریر رح نے لکھا ہے کہ حرام اور حلال سے متعلق صریح اور واضح بیانات "محکم" ہیں اور اس کے سوا جو صورت ہوگی وہ متشابہ ہے، (۶) ابن جریر رح ہی نے لکھا ہے کہ محکم کے معنی صرف ایک ہوتے ہیں اور متشابہ میں بہت سے معانی کی گنجائش ہوتی ہے (۷) ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ متشابہ وہ ہے جس پر ایمان ضروری ہے اس کا مطالبہ عمل کا نہیں ہوتا (۸) ابن تیمیہ رح لکھتے ہیں کہ آیاتِ صفات جن میں خدا تعالیٰ کی صفات مثلاً اللہ تعالیٰ کا ہاتھ، اس کی پنڈلی، اس کا عرش پر بیٹھنا وغیرہ سب محکم ہیں اور وہ احادیث بھی محکم ہیں جن میں خدا تعالیٰ کی صفات مذکور ہیں، ان تمام اقوال کا خلاصہ دو حرفوں میں یہ نکلا کہ متشابہات کی حقیقی مراد خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں، اس اعلان کے بعد جو شخص محکم کی مراد کو متعین کرنے کی کوشش کرے گا وہ یقیناً کجی فہم اور کجئ دل کا مظاہرہ کرے گا، چنانچہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد دیکھ کر کہ وہ اللہ کا ایک کلمہ اور اس کی روح ہے تعلق رکھتے ہیں تاویلات شروع کیں جس کے نتیجہ میں خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا چنانچہ نصاریٰ نے کہا کہ اللہ بھی روح ہیں اور مسیح کی روح بھی انھیں کی روح ہے اس لیے خدا تعالیٰ اور مسیح کی جنس ایک ہے (باقی برصفحہ آئندہ)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ

بالیقین جو لوگ کفر کرتے ہیں ہرگز ان کے کام نہیں آسکتے ان کے مال (و دولت) اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں

شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ○ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ

ذرہ برابر بھی اور ایسے لوگ جہنم کا سوختہ ہوں گے جیسا معاملہ تھا فرعون والوں کا

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ

اور ان سے پہلے والے (کافر) لوگوں کا کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر داروگیر فرمائی انکے گناہوں

وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَ

کے سبب اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں آپ ان کفر کرنے والوں سے فرما دیجئے کہ عنقریب تم (مسلمانوں کے ہاتھ سے) مغلوب

تُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○

کیے جاؤ گے اور (آخرت میں) جہنم کی طرف جمع کرکے لیجائے جاؤ گے۔ اور (جہنم) ہے برا ٹھکانہ۔

"بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کا مال، ان کی اولاد کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور یہی لوگ آگ کا ایندھن ہوں گے، جیساکہ معاملہ فرعون والوں کے ساتھ ہوا اور اُن سے پہلوں کے ساتھ انھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا سو اللہ نے ان کی گرفت کی بوجہ ان کے گناہوں کے، اور اللہ بڑی سخت سزا دینے والا ہے، آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے اور سب کو جہنم کی طرف جمع کیا جائے گا جہنم برا ٹھکانہ ہے"

کچھ کام نہ آئے گا

ارشاد ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنے والے اگر یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے مقابلہ میں ہماری عائلی قوت یا مالی استحکام کچھ کام دے جائے گا تو یہ بڑے دھوکے میں مبتلا ہیں کیونکہ جب خدا تعالیٰ کا عذاب آئے گا تو یہ ساری قوتیں بے کار ثابت ہوں گی بلکہ ان کو اس وقت معلوم ہوگا کہ یہ سب جہنم کا ایندھن ثابت ہوئے، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کفار، کفر و انکار میں فرعون اور اس کی قوم اور اسی طرح ان اقوام و امم کے مانند، عذاب سخت میں مبتلا ہوں گے کیوں کہ ان سب نے بھی ہماری آیات کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور جنس میں اجزا نہیں ہوتے اس لیے عیسیٰ بعینہ خدا ہیں (العیاذ باللہ) خدا تعالیٰ نے اسی سے متکلمات کی تعین مراد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا اور اس سلسلے کی تمام کوششوں کو زیغ و گمراہی کا نتیجہ قرار دیا۔ بتایا کہ جن کا علم پختہ ہے وہ صرف محکمات پر ایمان رکھتے ہیں ان تعبیرات کا صحیح مطلب، صرف خدا تعالیٰ پر موقوف کرتے ہیں، اس لیے آخر آیات میں قلب کی گمراہی اور اس کے زیغ سے محفوظ رہنے کی دعا، قرآن مجید نے تعلیم فرمائی۔

جھٹلایا تھا اور یہ بھی ہماری آیات کا انکار کر رہے ہیں، "داب" مصدر ہے، جب کوئی شخص بزور کسی کام کو کرے تو عرب والے کہتے ہیں کہ "داب فی العمل" اب انسان جن احوال میں ہوتا ہے اس کے لئے یہ لفظ استعمال کرتے ہیں "کداب" میں "کاف" محلاً مرفوع ہے پوری عبارت یہ ہوگی "داب ھولاء الکفرۃ فی تکذیب الحق کداءب من قبلھم من آل فرعون وغیرھم" اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ "کاف"، "لن تغنی" کی وجہ سے محلاً منصوب ہو اور عبارت یوں ہو کہ "لن تغنی عنھم مثل مالم تغن عن اولئك" بہرحال جب ان کی تکذیب و انکار کا جرم حد سے بڑھ گیا تو خدا تعالیٰ نے ان کو پکڑ لیا اور پھر ان پر وہ تابڑ توڑ عذاب آئے جس نے ان کو یقین دلا دیا کہ اللہ تعالیٰ بڑا عذاب والا ہے۔

ایک واضح اعلان

آپؐ ان مشرکینِ مکہ سے کہہ دیجئے کہ تم اب عنقریب مغلوب کر دیئے جاؤ گے (چنانچہ بدر کی جنگ اور کفار کی شکست و ہزیمت، ان کی مغلوبیت کا واضح اعلان تھی) اور دنیا ہی کے عذاب پر اکتفا نہ ہوگا بلکہ تم کو جہنم رسید کیا جائے گا اور یہ مت سمجھنا کہ جہنم کوئی آرام دہ مقام ہے، نہیں وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے[1]۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ

بے شک تمہارے لئے بڑا نمونہ ہے دو گروہوں (کے واقعہ) میں جو کہ باہم ایک دوسرے سے مقابل ہوئے تھے ایک گروہ تو اللہ کی راہ

اُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ

میں لڑتے تھے (یعنی مسلمان) اور دوسرا گروہ کافر لوگ تھے۔ یہ کافر اپنے آپ کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصہ (زیادہ) ہیں کھلی آنکھوں دیکھنا اور اللہ تعالیٰ اپنی

مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

امداد سے جس کو چاہتے ہیں قوت دیدیتے ہیں (سو) بلاشک اس میں بڑی عبرت ہے (دانش) بینش والے لوگوں کو

[1] ان آیات میں اعلان اور پیش گوئی کی گئی ہے کہ دین کے یہ دشمن ضرور مغلوب ہوں گے اور اس مقہوریت و مغلوبیت کے لئے اب زیادہ انتظار نہ کرنا ہوگا بلکہ بہت جلد یہ منظر سامنے آجائے گا کہ یہ سب اعدائے اسلام، مقہور و مغلوب، ذلیل و خوار ہوں گے، لیکن یہ مغلوبیت کہاں ہوگی دنیا میں یا آخرت میں؟ آخرت میں یقیناً ہوگی لیکن مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے دنیا میں بھی ہوگی چنانچہ بعض مفسرین نے آیت کا مصداق، جمہور، یہ مکہ کی گورنمنٹ کی شکست جو بدر میں ہوئی اسی کو ٹھہرایا ہے، چنانچہ معالم التنزیل میں ہے کہ "المراد مشرکی مکۃ" بیضاوی نے لکھا ہے کہ "قیل لمشرکی مکۃ ستغلبون یعنی یوم بدر" اندلسی بحر المحیط میں لکھتے ہیں کہ "قیل نزلت فی قریش قبل بدر بسنتین" سب کا حاصل یہ ہے کہ مکہ میں شکست جو کفار کو ہوئی آیت کا تعلق اسی سے ہے جس وقت یہ پیش گوئی قرآن مجید نے کی مسلمانوں کی کمزوری، زبوں حالی، اور اس کے مقابلہ میں مکہ کے مشرکین کی قوت استحکام، اسلحہ بندی کون باور کرتا کہ یہ بات پیش آ کر رہے گی لیکن دنیا نے دن کے اجالے کی طرح اس پیشین گوئی کی صداقت کو واقعات کے آئینہ میں دیکھ لیا، بدر کی شکست، مشرکین مکہ کی مغلوبیت کی وہ ابتدا تھی جس کی انتہا فتح مکہ پر جا کر ہوئی درمیان میں مشرکین مکہ نے جو وقت گذارا وہ مرنے والے مریض کے عارضی سنبھالے تھے۔

(انظر شاہ)

"بے شک تمہارے لیئے ایک نشانی ان دو گروہوں میں ہے جو باہم مقابل ہوئے ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا کافر، یہ اپنے کو کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے، ان سے (یعنی مسلمانوں سے) کئی گنا، اللہ اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے مدد کر دیتا ہے بے شک اس واقعہ میں دیدہ عبرت کے لیئے بڑا سبق ہے۔"

حق و باطل کا پہلا معرکہ، بدر کی جنگ کفار کی ہزیمت، مومنین کا غلبہ و تسلط

ان آیات میں مشرکینِ مکہ سے خطاب ہے، اور ارشاد یہ ہے کہ اے مکہ کے مشرکین ہم نے جو ابھی یہ پیشین گوئی کی ہے کہ تم مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہوگے، اس مغلوبیت و مقہوریت کا مظاہرہ بدر کا میدانِ کارزار تھا۔ وہاں دو جماعتیں جو حق و باطل کا فیصلہ کن معرکہ کرنے کے لیئے جمع ہوئیں تھیں، ان میں سے ایک جماعت (یعنی مسلمان) خدا تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے کے لیئے اپنی تمام کوششیں صرف کر رہی تھی اور دوسرا گروہ (یعنی کفار) کفر کے فروغ کے لیئے مصروفِ کوشش تھا۔ اس میں ایک عجیب بات یہ پیش آئی کہ مشرکین، مسلمانوں کو اپنی تعداد کے مطابق دیکھ رہے تھے، مشرکین کی تعداد بدر میں دو ہزار تھی (اس طرح مشرکوں کو مسلمانوں کی تعداد زیادہ دکھا کر خدا تعالیٰ نے مرعوب کر دیا)، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکوں کو اپنی تعداد مسلمانوں کے مطابق نظر آئی، مسلمان کل چھ ۳۱۳ سو بیس تھے، گویا کہ کفار باوجودیکہ زیادہ تھے اور یقیناً مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد گھٹا کر اور بہت گھٹا کر ان کو دکھائی اور وہ باوجود اپنی عددی کثرت کے خود کو اتنا کم دیکھنے لگے جتنی تعداد میں مسلمان تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر بزدلی طاری ہوگئی۔ نافع قاری نے اس آیت کو بجائے "یرون" کے "ترون" پڑھا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اے مشرکو، تم کو مسلمانوں کی تعداد اپنی تعداد کے بالکل مطابق نظر آئی۔ لیکن ان آیات کا مضمون، سورۂ انفال کی ایک آیت کے بالکل متضاد ہے، کیونکہ سورۂ انفال میں کہا گیا ہے کہ "و یقللکم فی أعینهم" (کہ اے مسلمانو تم کو ہم نے کفار کی نظر میں کم کر دکھایا) اور یہاں فرما رہے ہیں کہ دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے کی تعداد میں برابر و مساوی دکھایا، لیکن یہ تعارض و تضاد کوئی اہم نہیں بلکہ تھوڑے سے تامل سے حل ہو جاتا ہے، اصل میں خدا تعالیٰ کو بدر کا یہ معرکہ ضروری کرانا تھا سو اگر پہلے لمحہ میں کفار کو مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آتی تو وہ دہشت زدہ ہو کر یقیناً جنگ سے کترا جاتے، اس مصلحت کے پیشِ نظر خدا تعالیٰ نے پہلے پہلے ان کو مسلمانوں کی تعداد کم سے کم دکھائی تاکہ وہ میدان کو چھوڑ کر نہ جائیں، اور جب وہ آمادۂ جنگ ہوگئے، اور دست بدست لڑائی کا موقع سامنے آگیا تو اب مصلحت کا تقاضہ تھا کہ ان کو مسلمانوں سے مرعوب کر دیا جائے اس کی بہترین صورت یہی تھی کہ کفار کو اب مسلمانوں کی تعداد کئی گنا کر کے دکھائی جائے تاکہ ان کے دل مسلمانوں کے مقابلہ میں جُبن و بُزدلی کی بھیانک خاموشی کے نیچے آجائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، "و یقللکم فی اعینهم" گویا کہ ابتداء جنگ کا منظر ہے اور بعد میں پیش آنے والے واقعات "یرونهم مثلیهم" سے ظاہر کیئے گئے۔ گویا کہ جس طرح مختلف حالات کے یہ مختلف بیانات ہیں، اس کی خود قرآن مجید میں بہت سی مثالیں موجود ہیں، مثلاً ایک موقع پر ارشاد ہے کہ "فیومئذ لا یسئل عن ذنبه انس ولا جان" کہ آج کے دن کسی جن و انس سے اس کے گناہ کے بارہ میں سوال نہ ہوگا۔ اور دوسرے موقع پر فرمایا "وقفوهم انهم مسئلون" ان سے سوال ہوگا اب باہمی تضاد کو اٹھانے کے لیئے یہی کہنا پڑے گا، کہ سوال ایک خاص موقع پر ہوگا اور ایک موقع ایسا بھی آئے گا کہ جن و انس سے سوال نہ ہوگا۔

بلکہ اگر آپ آیات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان سے خدا تعالیٰ کی قدرت کا بشدت اظہار ہو رہا ہے کیونکہ ایک وقت تعداد کو گھٹانا اور پھر اس کو بڑھانا بڑے قدیر و قادر کی بات ہے، اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی مکمل نشانی بھی موجود ہے "مثلیھم" حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے "رای العین" کا ترجمہ آپ کھلی آنکھوں کر لیجئے مطلب یہ ہے کہ تم خود دیکھ رہے تھے، ہم غلط نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ سارا منظر تمہاری آنکھوں کے سامنے تھا۔ خدا تعالیٰ جس کی چاہیں مدد و نصرت فرما دیں چنانچہ بدر کا یہ معرکہ، مومنین کی نصرت و تائید کا ایک اہم ثبوت ہے، معرکہ کارزار میں عددی اکثریت ختم کر کے، گھٹا دینا یا مسلمانوں کی عددی اقلیت کو دوگنا کر دینا تا آنکہ وہ خود کو کفار کی تعداد کے برابر دیکھنے لگے، اہلِ نظر کے لیے بہت سی عبرتیں ہیں[۵]۔

۵۔ ان آیات سے پہلی آیات میں قرآن مجید نے پیشین گوئی کی تھی کہ خدا تعالیٰ عنقریب کفار کو مغلوب کر دے گا، چنانچہ یہ مغلوبیت واقع ہوئی اور بدر کے میدان میں مشرکین مکہ کو وہ شکستِ فاش ہوئی جس نے تاریخ کا رُخ بدل دیا، گویا کہ یہ دو چار آیات واقعہ بدر سے تعلق رکھتی ہیں، اس پہلے اور اہم معرکہ میں مسلمانوں کی بے سروسامانی، عددی قلت اور اس کے مقابل میں مشرکین مکہ کی تیاریاں، کثرت، ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان میں آنا، اور پھر نہتے مسلمانوں سے شکست اٹھانا تاریخ کا ایک عجوبہ ہے، ظاہری حالات کے پیش نظر اس کو یقیناً خدا تعالیٰ کی نصرت ہی کہا جائے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس موقع پر واقعہ بدر کی تھوڑی سی تفصیل کر دیں تاکہ قارئین کو ان آیات کے سمجھنے میں آسانی ہو، ہمارے محدثین اور مورخین نے یہ اصطلاح مقرر کر لی کہ جس جہاد میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شرکت فرمائی ہو اس کو غزوہ اور جس میں آپؐ کی شرکت نہ ہو اسے سریہ کہتے ہیں، اس لیے بدر کو غزوہ کہا جائے گا کیونکہ اس میں بہ نفسِ نفیس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریک تھے، بدر ایک کنوئیں کا نام ہے یہ وادی اسی کنوئیں کی وجہ سے "وادی بدر" کہلاتی ہے، حق و باطل کے درمیان سب سے پہلا یہ اہم معرکہ اسی زمین پر پیش آیا۔ مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اگرچہ کفارِ مکہ کے مظالم سے اپنی حفاظت کا یہ ایک مناسب اقدام تھا، اور کسی بھی ہنگامہ خیزی سے بچنے کی ایک معقول تدبیر لیکن مشرکینِ مکہ کی نظر میں مسلمانوں کا یہ قدم شدید غیظ و غضب کا باعث بن گیا، وہ سوچنے لگے کہ ہمارے یہ کمزور شکار آخر اتنی جرأت ان میں کہاں سے پیدا ہوگئی کہ یہ اپنے تحفظ کی تدابیر کریں، انتقامی کارروائیاں غزوہ بواط اور غزوہ عشیرہ جیسے چھوٹے چھوٹے معرکوں میں مشرکین مکہ کی طرف سے اگرچہ ہوتی رہیں لیکن غضب و غصہ کی آگ تمام مسلمانوں کو نیست و نابود کیا چاہتی تھی، اس منصوبہ کے تحت ضروری قرار دیا گیا کہ "ابو سفیان" کی سرکردگی میں ایک تجارتی قافلہ شام جائے اور وہاں سے منافع بکثرت حاصل کر کے، تمام زر نقد، اسلحہ کی فراہمی اور جنگ کے ضروری انتظامات میں لگا دی جائے۔ مشرکین مکہ کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ اس تجارتی قافلہ کے ساتھ مالی تعاون، مکہ کے ہر باشندہ نے کیا، تا آنکہ ایک بوڑھیا نے بھی اپنی عمر بھر کی کمائی خاص اس مقصد کے لیے اس قافلہ کی نذر کر دی، ستر قریشیوں کی جمعیت بسر کردگی ابو سفیان بظاہر تجارت کے عنوان پر، اور درحقیقت مسلمانوں کے استیصال کی خوفناک تجویز کے تحت شام روانہ ہوگئی۔ کیونکہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب علم تھا کہ یہ قافلہ کن مقاصد کے تحت سفر کر رہا ہے۔ اس لیے جب آپؐ کو شام سے ان کی واپسی کا علم ہوا تو آپؐ نے اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کر کے، حفاظتِ خود اختیاری اور حفظِ ماتقدم کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نقطۂ نظر سے اس قافلہ کو لُوٹ لینا چاہا، یہ کسی امن پسند تجارتی قافلہ پر بُرے مقاصد کے لیے غارت گری نہیں تھی بلکہ جنگی نقطۂ نظر سے ان ابتدائی کوششوں کا قلع قمع تھا جو مشرکینِ مکہ مسلمانوں کے خلاف کر رہے تھے، ہنگامی حالات میں جب ایک قوم، دوسری مظلوم آبادی پر کسی اشتعال کے بغیر یوں ظالمانہ چڑھائی اور یورش کرے تو دنیا کا ہر قانون مذہبی ہو یا اخلاقی، اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ مظلوم یا ظالم کی ان کوششوں کو ضرور چیلنج کرے جو ظالم، مظلوم کو برباد کرنے کے لیے انجام دے رہا ہے، اس لیے ہمارے نقطۂ نظر سے اس واقعہ کی وہ تمام توجیہات بالکل غلط ہیں جو غلط فہمیوں میں الجھے ہوئے بعض مورخین کو کرنا پڑیں، وہ سمجھے کہ یہ کوئی تجارتی قافلہ تھا جس پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حملہ، غارت گری اور ایک سفاکی تھی حالانکہ ایسا نہیں بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ ایک منظم سازش اور مسلمانوں پر دھاوا بولنے کی ابتدائی اور بنیادی تیاری تھی۔ جب کبھی آپ اس واقعہ کو اس نقطۂ نظر سے جانچیں گے تو آپ کو کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا، لیکن ایک محض تجارتی قافلہ اور اس پر مجرمانہ حملہ، آپ کے زاویۂ نظر کو غلط انداز پر سوچنے کے لیے مجبور کر دے گا۔ بہر حال آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوری طرح مشورہ فرمایا اور مشورہ کے بعد آپؐ نے اس "جنگی قافلہ کی راہ روکنی چاہی" چنانچہ کل تین سو تیرہ ۳۱۳ مسلمان اس مقصد کے لیے نکلے، یہاں یہ حقیقت نہ بھولنا چاہیئے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کسی بڑی مہم کا ہرگز نہیں تھا اگر ایسا ہوتا تو "نہتے" ہی سہی لیکن تین سو تیرہ نہیں بلکہ مدینہ منورہ کی ہزار ہا مسلم آبادی آپؐ کی معیّت میں نکلتی، اس مختصر قافلہ کی ذرا تیاری بھی ملاحظہ ہو۔ اُونٹ اتنے کم کہ ایک ایک اونٹ پر چار چار مسلمان سوار ہوئے، پورے لشکر میں کل دو ۲ گھوڑے، تین سو تیرہ ۳۱۳ کی تعداد کے پاس کل سات زرہیں، کیا میدانِ جنگ میں اترنے کی یہی تیاریاں ہوتی ہیں۔ تیاری اسی کو کہتے ہیں کہ مشرکینِ مکہ نو سو پچاس مسلّح انسانوں کی فوج لے کر باہر نکلے، سات سو اونٹ، سو آدمی زرہ پوش وغرق آہن، اور یہ توسامانِ جنگ کی ریل پیل، ان حالات میں تھی کہ مشرکینِ مکہ کو اچانک بدر کی طرف پیشقدمی کرنا پڑی، اور اگر ان کے منصوبہ کے مطابق ذرا تاخیر سے ان کا یہ حملہ مسلمانوں پر ہوتا تو یقیناً جنگ کی یہ تیاریاں، دوگنی، سہ گنی بلکہ کئی گنی ہوتیں، حیرت ہے کہ ان حقائق کے باوجود، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ناز یبا قلمی حملے اور غیر منصفانہ زہر چکانیاں کی جاتی ہیں ابوسفیان کو مسلمانوں کے اس تعاقب کی اطلاع ہوئی تو اس نے ضمضم نامی ایک شخص کو فوراً مکہ روانہ کیا تاکہ وہ مشرکینِ مکہ کو ابوسفیان کی حمایت و نصرت کے لیے فوراً آمادہ کرے، چنانچہ جمہوریہ مکہ کی آبادی کا ایک بڑا عنصر، پورے ساز و سامان کے ساتھ طغیانی و بے عنوانی کے دیو مہیب ابوجہل کی قیادت میں ابوسفیان کی حمایت کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ وادی صفرا میں پہونچ کر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حالات کا صحیح جائزہ لینے کے لیے کچھ آدمی ادھر ادھر روانہ کیئے۔ تو آپ کو معلوم ہوا کہ قریشی قافلہ، جنگ کے مکمل ارادہ و تیاری کے ساتھ، بدر کی طرف بڑھ رہا ہے اسی موقع پر ابوسفیان بھی بدر میں پہنچا اور بعض قرائن سے یہ معلوم کرکے کہ مدینہ کے مسلمان، بدر کی طرف آ رہے ہیں تیزی سے قریشی قافلہ سے جاملا اور اس کو نئے حالات سے مطلع کیا، ابوسفیان نے پوری مستعدی کے ساتھ جب ساحلی جانب اختیار کر لی تو اس نے دوسرے قاصد کی معرفت قریش مکہ کو مطلع کیا کہ اب آنے کی ضرورت نہیں اور میں مسلمانوں کی زد سے مکمل طور پر باہر ہوں، مگر رئیس الطاغیہ ابوجہل نے واپس ہونے سے بشدت انکار کر دیا۔ اور بولا کہ اب بدر میں ضرور پہونچوں گا اور مسلمانوں کا مکمل صفایہ کرکے اس کانٹے کو ہمیشہ کے لیے نکال دیتا ہے، یہ اس گمراہ انسان کے پرغرور کلمات ہیں جن کو اسی کے الفاظ میں مورخ کے قلم نے محفوظ کر لیا، وادی ذفران میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نئے حالات کے پیشِ نظر، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دوبارہ مشورہ فرمایا اور ان کو بتایا کہ یہ حالات ہیں، مختصر تیاری کے مقابلہ میں کفارِ مکہ کے انتظامات سنائے (باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مسلمانوں نے عرض کی کہ ہماری بے سروسامانی آپؐ کے سامنے ہے، اور ان کی تیاریاں آپؐ کے علم میں ہیں، ان حالات میں دست بدست جنگ اور ایسے مسلح لشکر سے صحیح نہیں، بہتر یہی ہے کہ ہم صرف قافلہ کا تعاقب کریں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مدینہ کی طرف لوٹ جائیں لیکن آپؐ نے یہ رائے پسند نہیں فرمائی۔ اور فرمایا کہ قافلہ کو چھوڑو اب تو اس عظیم اور جرّار لشکر کا فکر کرو جو مکہ سے سیلاب کی صورت میں امنڈ کر چلا آرہا ہے۔ بعض لوگوں نے جب مکرر عذر کیا تو آپؐ نے پھر وہی بات لوٹا دی، اداشناس جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپؐ کی مرضی پا گئے اور ان حضراتؓ نے سخت اور نازک مواقع پر بھی اپنی پوری جاں نثاری و فداکاری کا یقین دلایا۔ سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ نے تو اس ولولہ کے ساتھ اپنی خدمات پیش کیں کہ بڑے بڑے جاں سپار صحابہؓ کو ان کی عزیمت و اخلاص پر رشک ہونے لگا، لیکن مجلس کی اس پوری گرمگرمی کے باوجود ابھی آپؐ کی نظرِ مبارک اس انجمنِ مشورہ کے چپ و راست پر دوڑ رہی تھی، اچانک انصار کے پرجوش نوجوان حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ایک مناسب تمہید کے ساتھ آپؓ نے انصار کی طرف سے وفادارانہ مظاہرہ کا پورا یقین دلایا، سعد بن معاذ کے لفظوں میں نمایاں وفاداری، خطابت کے اتار چڑھاؤ میں عزیمت کی شوخی، انداز گفتگو میں جھلکتی ہوئی فدائیت کا آپؐ پر ایسا اثر ہوا، نور و انوار کا مرکز، ماہِ شبِ چہاردہم، چہرۂ نبوت مسرت و خوشی کے نورانی آثار سے جگمگ جگمگ ہوگیا اور آپؐ نے پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ پیش قدمی اور ساتھ ہی قافلہ یا لشکرِ کفار پر فتحمندی کی بشارت سنادی، مسلمان آگے بڑھے اور بدر کی وادی میں چند سو سر فروش مجاہدین کا یہ قافلہ، اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے زمین کی چھاتی پر پہلی بار نمودار ہوا، مشرکین مکہ کی فوجیں ان کے مقابل صف آرا ہوئیں تو قدرتی طور پر بدر کا وہ حصہ، مسلمان مجاہدین کے حصہ میں آیا جس کا ریگ زار، انسانی قدموں کو اپنے پر جمنے نہیں دیتا تھا۔ دوسری جانب، مکہ کے باطل پرستوں کے پاس وہ علاقہ جو ہر طرح موزوں اور استوار، لیکن حالات کے ان تمام مایوس کن رخ کے باوجود، مسلمانوں کے پائے ثبات میں لغزش تو درکنار، استقامت جھلک رہی تھی۔ خداتعالیٰ کی نصرت جوش و حرکت میں آئی مسلمانوں کی نظر میں نہ کفار کی فوجوں کی تعداد کم نظر آئی تاکہ مسلمان مغلوب نہ ہوں اور مشرکین کی نگاہیں مسلمانوں کو مٹھی بھر دیکھ رہی تھیں، یہ اس لیے کہ وہ مسلمانوں سے مرعوب ہوکر بھاگ کھڑے نہ ہوں اور اس طرح حق و باطل کا یہ معرکہ ٹل نہ جائے (۲) مسلمانوں کی پہلے لمحہ میں ایک ہزار فرشتوں کے جم غفیر سے مدد کی گئی اور پھر اسے بڑھا کر تین ہزار کا فوجی دستہ: ملائکہ کی صورت میں، بدر کی وادی میں چپ و راست آکھڑا ہوا۔ اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کہ اگر کمک کی یہ تعداد کافی نہ ہو تو چشم زدن میں فرشتوں کی فوج ظفر موج آسمان سے پانچ ہزار کی تعداد میں اتر آئے گی، (۳) میدانِ جنگ کی شعلہ سامانیوں میں مسلمانوں پر اونگھ طاری کردی گئی جس سے ان کے تھکے ہوئے اعضاء، نئی زندگی کے ساتھ جاگ اٹھے (۴) آسمان سے پانی کا وہ ریلا پڑا کہ دیکھتے ہی دیکھتے، بدر کا وہ حصہ کارآمد ہوگیا جس میں مسلمان کھڑے ہوئے تھے، اور یہی بارش، مشرکینِ مکہ کے لیے عذاب و محن کا باعث بن گئی۔ ان کی زمین خراب ہوگئی، چلنے پھرنے کا موقع نہ رہا۔ اور مکہ کا یہ فوجی ریلا حالات کی ابتری و ناسازگاری میں گھر کر رہ گیا۔ جنگ کا بگل بجا، دونوں طرف کے شہسوار، شجاعت کے جوہر دکھانے لگے، کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اور وادئ بدر چند گھنٹوں میں، مکہ کے سورماؤں کا گورستان بے نشان بن گیا۔ ابوجہل، طاغیہ فرقہ کا امام، دو انصاری کم سن نوجوانوں کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔ پورے عرب میں اس شکست کا ایک ناقابلِ فراموش تأثر قائم ہوا۔ مسلمان کامیاب و کامراں بدر کے میدان سے، مدینہ کے عاصمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ یہ معرکہ رمضان المبارک جمعہ کے دن ۲ھ ہجری میں پیش آیا۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ

خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے لگے ہوئے ڈھیر ہوئے

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ

سونے اور چاندی کے نمبر (یعنی نشان) لگے ہوئے گھوڑے ہوئے (یا دوسرے) مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی

مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ

(لیکن) یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگانی کی اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے آپ فرما دیجئے کیا میں تم کو ایسی

بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۗ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

چیز بتلا دوں جو (بدرجہا) بہتر ہو ان چیزوں سے (سو سنو) ایسے لوگوں کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں ان کے مالک (حقیقی) کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں جنکے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ○

پائین میں نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور (ان کیلئے) ایسی بیبیاں ہیں جو صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور ان کیلئے خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

(یہ) ایسے (لوگ) ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ○

(اور وہ لوگ) صبر کرنیوالے ہیں اور راست باز ہیں اور (اللہ کے سامنے) فروتنی کرنیوالے ہیں اور (مال) خرچ کرنیوالے ہیں اور اخیر شب میں (اٹھ اٹھ کر) گناہوں کی معافی

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ۗ

گواہی دی ہے اللہ تعالیٰ نے اسکی کہ بجز اس ذات کے کوئی معبود ہونیکے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی اور معبود بھی وہ اس شان کے ہیں کہ اعتدال کیساتھ انتظام

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

رکھنے والے ہیں ان کے سوا کوئی معبود ہونیکے لائق نہیں وہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں

"لوگوں کے لیے خوشنما کر دی گئی مرغوبات کی محبت، (خواہ) عورتوں سے ہو یا بیٹوں سے، یا ڈھیر لگے ہوئے سونے اور چاندی سے، یا نشان پڑے ہوئے گھوڑوں سے یا مویشیوں سے یا زراعت سے، یہ سب دنیوی زندگی کے سامان ہیں اور حسن انجام تو اللہ ہی کے پاس ہے، آپ کہیے کہ کیا میں تم کو ایسی بات بتلاؤں جو ان چیزوں سے بہت ہی بہتر ہے، جو لوگ ڈرتے رہتے ہیں ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس باغ ہیں کہ ان کے نیچے نہریں پڑی بہہ رہی ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے

ہیں اور صاف ستھری کی ہوئی بیویاں ہوں گی۔ اور اللہ کی خوشنودی ہوگی اور اللہ اپنے بندوں کا خوب دیکھنے والا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار ہم یقیناً ایمان لے آئے سو ہمارے گناہ بخشدے اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچادے، یہ صبر کرنے والے ہیں اور راستباز ہیں اور فروتنی کرنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور پچھلی رات میں گناہوں سے بخشش چاہنے والے ہیں۔ اللہ کی گواہی ہے کہ کوئی معبود نہیں ہے بجز اس کے، اور فرشتوں اور اہلِ علم کی بھی گواہی کا یہی مضمون ہے، اور وہ عدل کے ساتھ انتظام قائم رکھنے والا معبود برحق ہے، کوئی معبود نہیں بجز اس کے وہ بڑا زبردست ہے حکمت والا ہے۔

انسان کے دل و دماغ مرغوبات کی سنہری جال میں

ارشاد ہے کہ ہم نے انسانوں کے لیئے ان کی پسندیدہ اشیاء کو ایک سنہری جال بنادیا، کچھ ہیں کہ عورتوں کے دلفریب جمال میں محو اور بعض اولاد کی خوش کن تمناؤں اور جھمیلوں میں اور بہت سوں کو مال و دولت، زر و جواہر کے لگے ہوئے انبار سے دلچسپی، اور کچھ وہ بھی ہیں جن کی تمام توجہات، عمدہ نسل کے جانور، گھوڑوں اور کھیتوں کے لہلہاتے ہوئے سبزہ زاروں سے لگاؤ۔ لیکن یہ سب اس دنیائے ناپائیدار کی چند روزہ بہار ہے اور بہترین ٹھکانہ سو وہ خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے، اہلِ سنت والجماعت کی رائے یہ ہے کہ دنیا کی ان مرغوبات کو انسان کی نظر میں خوشنما، اللہ تعالیٰ ہی نے کیا ہے۔ اور ایسا بعض اہم مصالح کے پیشِ نظر ہوا، جس کو آپ مختصر طور پر "ابتلاء" کے لفظ سے تعبیر کریجئے، یعنی یہ دنیا کی پسندیدہ اور دل فریب چیزیں انسان کے لیئے ایک آزمائش ہیں کہ آیا سادہ لوح انسان شیطانی وساوس کے تحت انھیں عارضی زندگی کی دلچسپیوں میں گم ہوکر رہ جاتا ہے یا حقیقی و ابدی زندگی کی تلاش اس کی روح کو سرگرمِ کار رکھتی ہے۔

اہلِ سنت کی اس رائے کی تائید خود خدا تعالیٰ کے ایک ارشاد سے ہوتی ہے فرمایا کہ "انا جعلنا ما علی الارض زینۃً لھا لنبلوھم" کہ ہم نے زمین کی تمام کی تمام مخلوقات کو دلفریب بنادیا، مقصد انسان کا امتحان ہے، اس آیت میں دونوں باتیں آگئیں یعنی خوشنمائی کا فاعل بھی خود ہی کو قرار دیا اور اس کی وجہ ابتلاء بھی بیان فرمادی۔ مجاہدؒ کی قرارت میں "زُیّن" کے بجائے "زَیَّن" ہے یعنی مجہول کا صیغہ نہیں بلکہ معروف کا صیغہ ہے جس کے فاعل خدا تعالیٰ ہوں گے یہ قرارت مستقل اہلِ سنت کی دلیل ہے لیکن حضرت حسن بصریؒ کی رائے میں خوشنمائی اور دل فریبی کا یہ کام خدا تعالیٰ کا نہیں بلکہ شیطان کا ہے۔

شہوت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا نفس اپنی مرغوبات کی جانب پوری قوت سے مائل ہوتا ہے، یہاں یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ آئندہ ان مرغوب اشیاء کی جو قرآن مجید نے فہرست دی ہے جو انسان کو بے حد پسند ہیں مثلاً عورتیں، اولاد وغیرہ، ان اشیاء ہی کو پسندیدہ کہنا مبالغہ ہے حاصل جس کا یہ ہے کہ یہ چیزیں بے پناہ دلفریب ہیں لیکن یہی تعبیر اس حقیقت کو بھی کھولتی ہے کہ یہ چیزیں نہایت حقیر ہیں کیونکہ شہوت یعنی غلط خواہش کوئی قابلِ تعریف چیز نہیں بلکہ نفرت کے قابل بات ہے حکماء نے لکھا ہے کہ جو شخص شہوات کو حاصل کرنے کی جد و جہد میں لگ رہا ہے اس کی حیوانیت پر مزید کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ مفسر علماء نے عورتوں کے ذیل میں باندیوں کو بھی داخل کیا ہے کیونکہ عورتیں تو وہ بھی ہیں اور بعض تو ان میں حسن و کشش کی وہ سحر انگیز ادائیں رکھتی ہیں جو آزاد عورتوں کو بھی حاصل نہیں۔ قرآن مجید نے "بنین" کا لفظ استعمال کیا ہے یہ "ابن" کی جمع ہے۔ لغتِ عرب کی رو سے اگرچہ اس لفظ کا اطلاق، لڑکے اور لڑکی دونوں ہی پر ہوتا ہے لیکن

مفسرین کی رائے میں یہاں صرف لڑکے ہی مراد ہیں کیونکہ انسان کو فطرتاً، ذکور اولاد کی طرف جو دلی رجحان ہوتا ہے وہ لڑکیوں کی طرف نہیں۔ لڑکے ہی اصل میں باپ کی قوت کا باعث بنتے ہیں، دشمنوں کے مقابلہ میں انھیں پر انسان اعتماد کرتا ہے۔ قناطیر، قنطار کی جمع ہے، عربی زبان میں "بے پناہ مال" کا مفہوم یہ لفظ ادا کرتا ہے، بعض علماء کی رائے میں جس شخص کے پاس کم از کم ایک لاکھ کی مالیت ہو اسی کے لیئے قنطر کا لفظ بول سکتے ہیں۔ مکہ میں جب اسلام کا نشو و نما ہوا تو تقریباً سو اشخاص لکھ پتی ضرور موجود تھے۔ مقنطرہ کے معنی مدفون خزانے کے ہیں۔ اہل لغت نے عجیب بات لکھی ہے، لکھا ہے کہ عربی زبان میں "ذھب" سونے کو کہتے ہیں یہ "ذھب" سے ماخوذ ہے جس کے معنی تیزی سے نکل جانا آتے ہیں سونے کو "ذھب" اس لیئے کہتے ہیں کہ یہ بھی انسان کے پاس ٹھہرتا نہیں بلکہ پلک جھپکنے میں ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اور فضۃ، چاندی کو کہتے ہیں "فض" کے معنی متفرق ہونے کے ہیں چاندی کیلئے اہل عرب نے یہ لفظ اس لیئے اختیار کیا کہ چاندی خرچ کی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ خرچ کی بنا پر جمع نہیں ہو سکتی بلکہ جمع شدہ سرمایہ بھی جاتا رہتا ہے گویا کہ دونوں لفظ میں چلے جانے، فنا ہو جانے ختم ہو جانے کا مفہوم موجود ہے۔ ایسے ہی عربی میں گھوڑے کے لیئے "خیل" کا لفظ مستعمل ہے یہ خیال سے ماخوذ ہے، کہتے ہیں کہ گھوڑے کو فطرتاً اپنی چال پر بڑا ناز اور گھمنڈ ہوتا ہے اس لیئے اہل عرب نے گھوڑے کے لیئے یہ لفظ اختیار کیا۔ "مسومۃ" سوم سے ماخوذ ہے، اس کے معنی علامت لگانے کے آتے ہیں، عادت یہی ہے کہ عمدہ نسل کے گھوڑوں پر خاص علامت مالک ضرور لگا دیتے ہیں تاکہ وہ عام گھوڑوں کے مقابلہ میں ممتاز رہیں۔ اور بعض علماء کی رائے میں سوم کے معنی چرنے کے آتے ہیں، چراگاہوں میں چرنے والے گھوڑے ظاہر ہے کہ موٹے تازے، طاقتور اور توانا ہوتے ہیں، اور ایسے تیار گھوڑوں پر ان کے مالک کو بڑی توجہ ہوتی ہے۔ "انعام" سے چوپائے مراد ہیں خصوصاً جن کو عام طور پر انسان پالتا ہے مثلاً بھینس، بیل، گائے، بکری وغیرہ، "حرث" کھیت، لہلہاتی کھیتیاں، بہرحال یہ سب چیزیں چند روزہ زندگی کی عارضی بہار ہیں، پائیدار ٹھکانہ سو وہ تو خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

نیکی کی نشاندہی

آپ ان سے کہیئے کہ جو کچھ تمہاری مرغوبات اور دل پسند چیزیں ہیں اور جن کے عارضی و فانی ہونے میں کوئی شبہ نہیں، ان چیزوں کے مقابل میں کیا میں تم کو ایک ایسی پائیدار، ہمیشہ رہنے والی نیکی اور خیر کی خبر دوں وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اہل تقویٰ کے لیئے باغات تیار فرمائے ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ان آیات میں، جنت کا تذکرہ خاص طور پر اہل تقویٰ ہی کے لیئے ہوا حالانکہ جنت میں تمام ہی مؤمن جائیں گے تو بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت کی حقیقی لذت اور شروع سے آخر تک اس کا واقعی آرام تو بس اہل تقویٰ ہی کو پہونچے گا۔

فرماتے ہیں کہ یہ اہل تقویٰ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کی بیبیاں پاک وصاف ہوں گی۔ اور خدا تعالیٰ ان سے خوش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام اعمال کو دیکھ رہے ہیں اس لیئے ان اعمال وافعال پر سزا و جزا بھی ضروری ہے۔ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اہل تقویٰ کے تمام اعمال خدا تعالیٰ کے سامنے ہیں اسی لیئے ان کے لیئے جنات کا انتظام کیا ہے۔ یہ اہل تقویٰ وہ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے خدا ہم آپ کی دعوت ایمان پر ایمان لے آئے۔ سو اپنے وعدہ کے مطابق ہمارے گناہ معاف فرما دیجئے اور اپنے فضل سے ہم کو جہنم کی

بچا لیجئے۔ یہ اہلِ تقویٰ عبادات میں ہمیشہ لگے رہتے ہیں اور مصائب پر صبر کرتے ہیں یہ اپنے عمل سے اپنے ایمان کا ثبوت دیتے ہیں زبان سے خدا تعالیٰ کے معبود برحق ہونے کا اعتراف کرتے ہیں ان کی نیت ان کے ٹھوس عمل کی صحت کی ضمانت ہے یہ دعائیں کرتے ہیں، اطاعت شعاری ان کا امتیاز ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ان کا بہترین مشغلہ ہے، اور صبح کے اجالے میں گناہوں پر ندامت، اور استغفار ان کا طریقہ ہے، یا صبح کے وقت نماز باجماعت کا اہتمام ان کی عادت ہے، ان آیات میں صبح کے وقت کا خصوصی ذکر اس لیئے ہے کہ یہ وقت، قبولیتِ دعاء کا بہترین وقت ہے، تنہائی اور یکسوئی جو اس وقت میسّر آتی ہے وہ کسی اور وقت ہاتھ نہیں لگتی۔ اسی لیئے حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا، کہ عزیزِ من، کیا مرغ ایک جانور ہونے کے باوجود تم سے زیادہ ہوشیار و عاقل ہوگا کہ وہ تو صبح کی پو پھٹنے سے پہلے مصروفِ بانگ ہو اور تم انسان ہو کر، پڑے سوتے ہو۔

ان آیات میں لطیفہ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ تمام صفات کے درمیان "واؤ" ذکر کیا گیا مثلاً الصابرین والصادقین والقانتین الخ وغیرہ۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اہلِ تقویٰ ان تمام صفات میں کامل ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ ان کی یہ تمام صفات قابلِ تعریف ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا ان کا ارشاد ہے کہ وہ معبودِ برحق تنہا ہے، یکتا ہے، یگانہ ہے اس کی الوہیت و ربوبیت میں کوئی شریک نہیں، فرشتے بھی اس حقیقت کے معترف ہیں۔ قدرت و عظمت کے مطالعہ نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا ان کو یقین دیا ہے۔ نیز علماء اور انبیاء بھی اسی یقین کے حامل رہے اور وہ خدا تعالیٰ انصاف کو قائم رکھنے والا ہے، رزق کی تقسیم، اوقاتِ زندگی کی تقسیم، ثواب و عقاب کا معاملہ، ان سب میں اس نے انصاف کو باقی رکھا۔ وہ اپنے بندوں کو بھی حکم دیتا ہے کہ وہ باہمی معاملات میں انصاف کی راہ پر قائم رہیں۔ واقعی وہی ہے معبودِ برحق۔ بڑا غالب ہے۔ بڑی حکمت والا ہے۔

---

۷ ان آیات کے شانِ نزول کے سلسلہ میں عام تفسیری ذخیرہ میں بہت سی روایات ملتی ہیں۔ مثلاً ایک روایت کا حاصل یہ ہے کہ وفدِ نجران جس کے سلسلہ میں اس سورۃ کی ابتدائی تقریباً اسّی آیات نازل ہوئیں جب وہ مسجدِ نبویؐ میں داخل ہوا تو بڑی تزک و احتشام کے ساتھ، ریشمین لباس، حریر و بانات کی نہایت قیمتی چادریں اوڑھے ہوئے۔ اور انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں۔ اس وفد نے مسجدِ نبویؐ میں اپنے طریقہ پر نماز پڑھی، بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین روکنا چاہتے تھے لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ اور فرمایا کہ ان کو ان کی عبادت سے نہ روکو۔ مسلمان غرباء نے اس وفد کی یہ ظاہری بھڑک دیکھی تو فطرتاً، دنیا کا کچھ خیال ان کے دلوں میں پیدا ہوا جس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ لیکن صاحب المنار نے اس روایت کو ذکر کر کے حسبِ ذیل اپنی رائے پیش کی ہے۔ "ولا یخفی ضعفہ" یعنی روایت ضعیف ہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ خود وفد کے رئیس نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں آپؐ کی نبوت کی ضرور تصدیق کرتا لیکن مجھے ڈر ہے کہ ایسا کرنے سے ہرقل، شاہِ روم کے دربار میں میرے تمام اعزاز و اکرام ختم ہو جائیں گے۔ اسی پر یہ آیات نازل ہوئیں اور بتایا گیا کہ دنیا اور دنیا کے مرغوبات انسان کو کس قدر رجھاتے ہیں، حالانکہ خدا تعالیٰ نے جو نعمتیں اپنے مومن بندوں کے لیئے جمع کی ہیں وہ دائمی اور ابدی ہیں۔ مفسر رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ابو حارث بن علقمہ نصرانی (باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نے اپنے بھائی سے کہا تھا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ محمدؐ رسول اللہ، اللہ کے آخری نبی ہیں لیکن اس کے اعتراف سے اس لیے خاموش ہوں کہ بادشاہِ روم کے یہاں میرا وہ توقیر و اکرام نہ رہے گا جو مجھ کو حاصل ہے۔ اسی پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ یہاں یہ حقیقت پیشِ نظر رہے کہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ انسان دنیا سے قطعاً دستبردار ہو جائے یا اپنے اندر سے وہ تمام تعلقات کھرچ کر ڈال دے جو فطری طور پر ایک انسان میں موجود ہوتے ہیں وہ صرف اتنا چاہتا ہے کہ مال و دولت جاہ و منصب، اولاد اور بیویاں ان کی محبت، ایک جائز حد تک رہنی چاہیے، ایسا نہ ہونا چاہیے کہ یہ تعلقات قبولِ حق یا اظہارِ حق میں مانع ہوں۔ فی ظلال القرآن میں ہے کہ "ولما کانت ھذہ الرغائب والدوافع مع ھذا طبعیۃ وفطریۃ، والاسلام لا یمیل الی کبتھا وقتلھا ولکن الی ضبطھا و تنظیمھا و تخفیف حدتھا واندفاعھا" یعنی یہ فطری مالوفات ہیں، اسلام انھیں جڑ سے اکھاڑ دینا نہیں چاہتا بلکہ ان کو ایک منضبط شکل میں لانا چاہتا ہے۔ ایک متعین حد میں یہ تعلقات رہیں، تجاوز نہ کرنے پائیں۔

ان آیات میں ان تعلقات و مرغوبات کو خوشنما انسان کی نظروں میں کر دینے کی اطلاع ہے لیکن ان کو خوش نُما کون کرتا ہے۔ اس کا ذکر نہیں۔ صاحب فی ظلال القرآن نے تو لکھا ہے کہ یہ تعبیر خود اس بات کی علامت ہے کہ یہ مالوفات و مرغوبات فطری ہیں لیکن عام مفسرینؒ نے اس پر خوب بحث کی ہے کہ زینت دینے والی شخصیت آخر کون ہے؟۔ صاحب مدارک نے بھی اس سلسلہ میں کچھ تفصیل کی ہے۔ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ تزئین کا یہ عمل، شیطانی کارنامہ ہے وہ کہتے ہیں کہ مرغوبات کی الفت ایک بُری صفت ہے اور کیونکہ یہاں مرغوبات کو مطلقاً ذکر کیا ہے اس لیے اس میں وہ مرغوبات بھی داخل ہو گئے جو مرغوبات ہیں لیکن حرام ہیں اور حرام کو خوشنما کرنا شیطان ہی کا کام ہے، نیز دین مال کی بے پناہ محبت کو پسند نہیں کرتا اس لیے مال و دولت کے انبار سے انسان کی بڑھی ہوئی دل چسپی شیطان ہی کا کام ہے، اس کے علاوہ ان تمام مرغوبات کو خدا تعالیٰ نے دنیا کا سرمایہ قرار دیا ہے، دنیا ایک مذموم چیز ہے اس میں جو کچھ خوشنمائی ہے وہ شیطان کی پیدا کردہ ہے۔ ان دلائل کے پیشِ نظر اس جماعت کی رائے میں مزیّن، خدا تعالیٰ نہیں بلکہ شیطان ہے۔ بلکہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ المنار میں ہے کہ "ویوثر ھذا الاسناد عن الحسن البصریؒ" اس کے مقابل میں دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ زینت دہی کا یہ سارا کام خود خدا تعالیٰ کا ہے، وہ دلیل میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زینت و طیبات کو مباح قرار دیا بلکہ اس فرقہ پر ناراضگی کا اظہار فرمایا جو کہ خدا تعالیٰ کی مباح کردہ زینت کو حرام قرار دے۔ ارشاد ہے کہ "قل من حرّم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ" یعنی اس زینت کو کون حرام کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمائی۔ نیز، دنیا کبھی آخرت کے حصول کا بھی ذریعہ ہو جاتی ہے مثلاً مال بکثرت ہو اور آدمی اللہ کی راہ میں خرچ کرے، اولاد ہو لیکن صالح و متقی، اور اسلام کے سرفروش مجاہد تو یہ چیزیں اور ان سے تعلق بُرا نہیں بلکہ اچھا ہوگا۔ معتزلہ کی ایک جماعت کی رائے میں بعض مرغوبات عمدہ ہیں اور بعض بُرے، اچھے مالوفات میں زینت خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور بُری چیزوں میں خوش منظری کے سامان شیطانی کارنامہ ہیں۔ لیکن ان سب مباحث سے قطع نظر، یہ خوش منظری صحیح بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ان کو ودیعت رکھدیا، ان کو ختم کرنا مقصود نہیں بلکہ ان پر کنٹرول کرنا ہے، جیسا کہ ہم پہلے ہی لکھ آئے۔

قرآن کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا بڑا رجحان عورتوں کی طرف ہے۔ اس کے بعد اولاد کی جانب اور پھر مال و دولت سے، قناطیر، قنطار کی جمع ہے۔ ابن جریرؒ نے لکھا ہے کہ مال و دولت کے انبار کو کہتے ہیں (باقی بر صفحہ آئندہ)

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ قف وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا

بلاشبہ دین (حق اور مقبول) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے جو اختلاف کیا (کہ اسلام کو باطل کہا)، تو

الْكِتٰبَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ط وَمَنْ

ایسی حالت کے بعد کہ ان کو دلیل پہنچ چکی تھی محض ایک دوسرے سے بڑھنے کے سبب سے اور جو شخص

يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ فَإِنْ حَآجُّوْكَ

اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرے گا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کا حساب لینے والے ہیں۔ پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے حجتیں

فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ط وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ

نکالیں تو آپ فرما دیجئے کہ (تم مانو یا نہ مانو) میں تو اپنا رخ خاص اللہ کی طرف کر چکا اور جو میرے پیرو تھے وہ بھی۔ اور کہیے اہل کتاب

أُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْأُمِّيّٖنَ ءَأَسْلَمْتُمْ ط فَإِنْ أَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ج

سے اور (مشرکین) عرب سے کہ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو سو اگر وہ لوگ اسلام لے آویں تو وہ لوگ بھی راہ پر آجاویں گے

وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ع

۲
۱۰

اور اگر وہ لوگ روگردانی رکھیں تو آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ خود دیکھ (اور سمجھ) لیں گے بندوں کو۔

"بس دین تو اللہ کے نزدیک "اسلام" ہی ہے۔ اور جو اختلاف کیا اس میں اہل کتاب نے سو وہ آپس کی ضد سے کیا بعد اس کے کہ انھیں صحیح علم پہونچ چکا تھا اور جو اللہ کی آیات سے انکار کرے گا سو اللہ یقیناً جلد حساب لینے والا ہے پھر اگر یہ لوگ آپ سے حجت کیے جائیں تو آپ کہدیجئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ترقی و تمدن کے اس دور میں جب کہ حسین وخوشنما کاروں کی کمی نہیں، تاہم گھوڑوں سے انسان کی دلچسپی آج بھی ختم نہیں ہوئی فی ظلال القرآن نے بھی لکھا ہے کہ "والخیل ما تزال حتی فی عصر الآلة المادی الیوم زینة محبته مشتهاة"، قرآن مجید نے آخرت کے مالوفات کے ذکر میں مال و دولت۔ اولاد کا ذکر نہیں کیا، بلکہ باغات، بیویوں، رضوان کا تذکرہ آیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مال و دولت، کھیتیاں، مویشی، اولاد، یہ وسائل اس عالم آخرت میں انسان کے لیئے ضروری نہیں رہیں گے، نہ ان کی اس کو ضرورت پیش آئے گی۔ عورتوں کے ساتھ مطہرة کا لفظ ذکر فرماکر، ان تمام عیوب کی خواہ جسمانی ہوں یا اخلاقی جنت کی بیبیوں سے نفی فرمادی جو اس دنیا کی عورتوں میں ہوتے ہیں اور شوہر کے لیئے باعث تکلیف بنتے ہیں۔ آگے، صبر و استقامت، انفاق، دعا سحری، توحید اور اللہ کی تمام صفات پر عقیدۂ کامل کا تذکرہ فرماکر بتایا کہ اصل مرغوبات انسان کے یہ ہونے چاہیئیں۔

انظر شاہ

کہ میں تو اپنا رخ اللہ کی طرف کر چکا اور جو میرے پیرو ہیں وہ بھی۔ اور آپ اہل کتاب سے اور امیوں سے دریافت کیجئے کہ تم اسلام لاتے ہو؟ سو اگر وہ اسلام لے آئیں تو سمجھو کہ راہ ہدایت پر آ گئے اور اگر وہ انکار کریں اور روگردانی سے کام لیں تو آپ کے ذمہ تو صرف تبلیغ ہی ہے اور اللہ اپنے بندوں کا خوب دیکھتے رہنے والا ہے۔

اسلام ہی صرف خدا تعالیٰ کا پسندیدہ اور منتخب مذہب ہے

ترکیب نحوی کے اعتبار سے یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی یہاں سے ایک نئی بات شروع ہوئی ہے اور اِنَّ الدِّیْنَ اللہ تعالیٰ کے سابقہ ارشاد انہ لا الٰہ الا ھو سے بدل ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے اپنی وحدانیت و یکتائی کی شہادت دی تھی ایسے ہی وہ اس حقیقت کی بھی شہادت دیتا ہے کہ اس کے نزدیک پسندیدہ اور منتخب مذہب تمام مذاہب میں صرف اسلام ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص سونے کے وقت میں "شہد اللہ الخ" والی آیات پڑھ لیا کرے تو اس کی برکت سے خدا تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار ایسی مخلوق پیدا فرمائیں گے جو قیامت تک اس کے لئے استغفار کرتی رہے گی اور جو اس کے بعد اتنا اور کہہ دیا کرے کہ وانا اشھد بما شھد اللہ بہ واستودع اللہ ھٰذہ الشھادۃ وھی لی عند اللہ ودیعۃ (یعنی میں بھی اس حقیقت کی گواہی دیتا ہوں جو خدا تعالیٰ نے دی ہے اور میں اپنی اس شہادت کو خدا تعالیٰ کے پاس امانت رکھتا ہوں، یہ میری امانت خدا تعالیٰ کے پاس ہے)، تو خدا تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ اس بندہ کا میرے ساتھ ایک عہد ہے اور میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کہ وعدہ پورا کروں میرے اس بندہ کو جنت میں داخل کر دو۔ ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ تمام مذاہب قطعاً باطل اور غلط ہیں اگر کوئی مذہب صحیح ہے اور عند اللہ مقبول تو وہ صرف "اسلام" ہے۔ اہل کتاب نے دین کی صحیح حقیقت میں جو اختلاف کیا مثلاً نصاریٰ نے توحید کی واضح حقیقت کو تثلیث (خدا تین ہیں) میں گم کر دیا اور یہود نے عزیر نبی کے متعلق یہ عقیدہ تراش لیا کہ (معاذ اللہ) وہ اللہ کے بیٹے تھے۔ یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا کہ حق ان پر واضح ہو چکا تھا گویا کہ ان کا یہ ظلم اور گناہ اس سے اور بڑھ جاتا ہے کہ حق واضح ہونے کے بعد انھوں نے غلط راہ اختیار کی اور پھر یہ اختلاف بھی کسی اچھے جذبہ کے ساتھ نہیں بلکہ نہایت غلط جذبات کے تحت، مثلاً کوئی اس طرح کی غلط باتیں صرف اس لئے کر رہا ہے کہ اس کو اقتدار و مال و دولت کے انبار انھیں باتوں کے نتیجہ میں حاصل ہیں کوئی دنیا طلبی کے لئے یہ بیہودہ گوئی ضروری سمجھتا ہے یا انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے بارہ میں اختلاف کیا بعضوں نے آپؐ کی نبوت تسلیم کی اور بعض آپ کی رسالت کا صاف انکار کر بیٹھے۔ اختلاف سے اس آیت میں شاید یہی اختلاف مراد ہو۔ بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اختلاف کرنے والوں سے عیسائی مراد ہیں جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں صریح حق آ جانے کے بعد پھر اختلاف کیا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور پیغمبر تھے لیکن ان ظالموں نے ان کو خدا بنا چھوڑا (العیاذ باللہ)

آیات اللہ کا انکار

ارشاد ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی آیات یعنی ان دلائل کا انکار کرے جو خدا تعالیٰ نے "سچائی و صداقت" پر قائم کئے ہیں تو ایسے شخص سے خدا تعالیٰ بہت جلد حساب لے لیں گے، خدا تعالیٰ انسانوں کو اُن کے اعمال کی جزا و سزا دینے میں تاخیر نہیں کرتے اگر یہ وفد نجران آپؐ سے پھر اس حقیقت میں اختلاف کرے کہ "اسلام دین برحق ہے" یا نہیں تو آپ ان سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ میں اپنے تمام دین و شریعت میں شروع سے آخر تک موحد ہوں، میں اپنے طریقہ میں اخلاص رکھتا ہوں، میں خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا یہی صحیح اور سچا دین ہے اور تم خود بھی اس دین کی صداقت کے دل سے قائل ہو اگرچہ تمہاری زبانیں اس کا انکار کرتی ہیں۔ میں نے کبھی ایسے دین کی طرف تم کو دعوت نہیں دی جو تمہارے لئے بالکل اجنبی اور غیر مانوس ہو اگر میں کسی "نئی بات" کی جانب تم کو بلاتا تو تمہارا اختلاف صحیح ہوتا لیکن ایک سچائی جو ازل سے صداقت چلی آتی ہے، ایک حق جس کی

حقانیت کی قدامت ازل کے قدیم رشتوں سے استوار ہے اس میں اختلاف کیا معنی رکھتا ہے؟ گویا کہ یہ آیات اپنے مضمون کے اعتبار سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو حقیقت اس سے پہلے ان آیات میں ذکر کی گئی تھیں قُل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا یعنی اے اہل کتاب آؤ ہم اور تم ایک کلمہ جامعہ پر اتفاق کر لیں جو تم کو بھی تسلیم ہے اور جس پر ہمارا بھی ایمان ہے "یعنی اللہ ایک ہے وہی معبود برحق ہے اس کی خدائی والوہیت میں کوئی شریک نہیں" جب یہ سچائی ہمارے اور تمہارے درمیان تسلیم شدہ ایک حقیقت ہے تو پھر اختلاف و مناظرہ بازی کا کیا موقع؟ بہر حال میں اور میرے تمام اتباع کرنے والے اس حقیقت ثابتہ پر یقین رکھتے ہیں۔

نیز آپ اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ اور مشرکین سے آخری بات کہئے کہ بتاؤ اسلام قبول کرتے ہو جبکہ اسلام کی صداقت پر دلائل واضح طور پر قائم ہو چکے۔ اگر قبول کرتے ہو تو تم راہ یاب ہو گئے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اگرچہ استفہام ہے اور سوال کی صورت میں ہے لیکن حقیقت میں یہ حکم ہے اور مطلب یہ ہے کہ اسلام لے آؤ جیسا کہ فھل منتھون میں اگرچہ صورت سوال ہے لیکن معنی حکم کے ہیں کہ "رک جاؤ"، بہر حال اگر یہ اسلام قبول کر لیں تو بات ٹھیک ہے اور اگر اپنی گمراہی و ضلالت پر مصر رہیں تو آپ کے ذمہ صرف حق بات کی تبلیغ تھی سو وہ ہو چکی اور یہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہونچا سکیں گے، خدا تعالیٰ تمام بندوں کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ان کے بھی تمام اعمال پر اس کی نظر ہے اس لئے قبول اسلام پر جزاء اور اسلام کے ترک پر سزاء ان کو یقیناً دی جائے گی۔

ف ان آیات میں دین اور اسلام کے الفاظ خدا تعالیٰ نے صراحتاً استعمال فرمائے ہیں آیات کا مضمون سمجھنے سے پہلے دین اور اسلام یا ملت وغیرہ کی لغوی حقیقت ایک مرتبہ ذہن میں لے لیجئے۔ دین کے لغوی معنی جزاء اور بدلہ کے ہیں دین کی حقیقت خضوع اور اطاعت ہے اور یہی اعمال خدا تعالیٰ کی جانب سے جزاء کا سبب بنتے ہیں۔ پھر دین کا اطلاق ان تمام احکام پر بھی ہوتا ہے جن پر عمل پیرا ہونے سے خدا تعالیٰ بندوں کو جزاء اور بدلہ عنایت فرماتے ہیں۔ اس معنی کے پیش نظر دین، ملت اور شرع کے معنے میں ہوگا۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ جن احکام کا خدا تعالیٰ نے بندہ کو مکلف بنایا ہے اس اعتبار سے "شریعت" کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور شارع کی اطاعت کے لحاظ سے دین کہا جاتا ہے اور تمام احکام واعمال کے پیش نظر "ملت" کا نام دیا جاتا ہے گویا کہ حقیقت ایک ہے لیکن پہلو دار اور مختلف عنوانات صرف اس کے مختلف رُخ اور گوشوں کے اعتبار سے ہیں۔ اسلام کے معنی اطاعت کرنا آتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے دین کے تمام عناصر ترکیبی یعنی عمل، اطاعت، جزاء، قانون و تنفیذ قانون پر اسلام کا لفظ اطلاق کیا ہے جو کہ نہایت برجستہ اور صحیح تعبیر ہے لیکن خود اسلام سے ان آیات میں کیا مراد ہے؟ تقریباً تمام مفسرین نے اس کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلام سے مراد وہ بنیادی حقیقت اور کلمہ جامعہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے ادیان کا مشترک سرمایہ ہے جس میں توحید، رسالت، حشر و نشر، ملائکہ پر ایمان، جنت و جہنم پر ایمان، تقدیر کے تمام پہلوؤں پر قلب کی طمانیت وغیرہ اجزاء کے اعتبار سے شامل ہیں۔ یہ بنیادی حقائق تمام مذاہب میں مشترک رہے اگرچہ اعمال و احکام کی صورتیں ملتوں میں وقت و مصلحت کے تحت بدلتی رہیں۔ چنانچہ المنار میں ہے کہ الاسلام دیننا و لجمیع الملل التی جاء بھا الانبیاء لانہ ھو روحھا الکلی الذی اتفقت فیہ علی اختلاف بعض التکالیف وصور الاعمال فیھا وبہ کانوا یوصون یعنی اسلام کا لفظ ان تمام طریقوں پر حاوی ہے جسے انبیاء لے کر آئے اور جس میں حقائق پر اتفاق رہا اگرچہ اعمال ملتوں میں بدلتے رہے۔

مفسرین کی ان تصریحات سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ وہ مذاہب جن کا تعلق خدا تعالیٰ کی صاف شستہ، نکھری ہوئی تعلیم سے نہیں (باقی بر ص ۳۰)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ

بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں وہ ایسے شخصوں کو

يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ

جو (افعال و اخلاق کے) اعتدال کی تعلیم دیتے ہیں سو ایسے لوگوں کو خبر سنا دیجیے ایک سزائے دردناک کی (اور) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سب

أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ؗ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ○ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا

اعمال (صالحہ) غارت ہو گئے دنیا میں اور آخرت میں اور (سزا کے وقت) ان کا کوئی حامی مددگار نہ ہوگا (اے محمدؐ) کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں دیکھے

نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ

جن کو کتاب (توراۃ) کا ایک (کافی) حصہ دیا گیا اور اسی کتاب اللہ کی طرف اس غرض سے ان کو بلایا بھی جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے

وَهُمْ مُعْرِضُونَ ○ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۖ

پھر (بھی) انہیں سے بعض لوگ انحراف کرتے ہیں بے رخی کرتے ہوئے (اور) یہ اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم کو صرف گنتی کے تھوڑے دنوں تک

وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ

دوزخ کی آگ لگیگی اور ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے اُن کی تراشی ہوئی باتوں نے سو ان کا کیا (برا) حال ہوگا جبکہ ہم انکو اس تاریخ میں جمع کر لینگے جس (کے آنے) میں ذرا شبہ

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ○

نہیں اور (اس تاریخ میں) پورا پورا بدلہ مل جاویگا ہر شخص کو جو کچھ اس نے (دنیا میں) کیا تھا اور ان شخصوں پر ظلم نہ کیا جاوے گا

بے شک جو لوگ اللہ تعالے کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور انبیاء کو بلاوجہ بلکہ ناحق قتل کر ڈالتے ہیں اور اسی طرح ان لوگوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں جو عدل کا حکم دیتے ہیں بس آپ انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔ کیا آپ نے ان لوگوں

(حاشیہ بقیہ صـ۲۶) وہ تو اسلام کے دائرہ سے قطعاً جدا اور علیحدہ ہیں اور رہ گئے وہ آسمانی مذاہب جن کا رشتہ وحی الٰہی سے استوار اور مضبوط تھا، سو اس رشتہ کے اضمحلال کے بعد عقائد و اعمال کی دنیا میں جو ہلچل خود انھیں مذاہب کے پیروؤں کے ہاتھوں ہوئی مثلاً نصرانیت و یہودیت تو وہ بھی اب اسلام کے دائرہ سے خارج سمجھے جائیں گے، عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ماننے یا ابن اللہ کہنے کے بعد توحید شرک کے شائبہ سے کب پاک رہی، عزیرؑ کو ابن اللہ کہنے کے بعد یہود کا زمزمۂ توحید شرک کی گندگی سے کیونکر پاک کہا جا سکتا ہے اس لئے اب اسلام کا حقیقی مصداق اپنے ظاہر و باطن روح و جسم عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے صرف وہی ملت رہ گئی جس کی پیروا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہلاتی ہے۔ ان واضح فیصلوں کے بعد وحدت ادیان کا نعرہ نہ صرف ایک سیاسی حربہ ہے بلکہ گمراہی عقیدہ و فکر کی ایک واضح شکل ہے، افسوس کہ ہندوستان کے (باقی بر صـ۲۸)

کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب الٰہی سے حصہ دیا گیا تھا انھیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان میں سے ایک فریق بے رخی کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو آگ چھوئیگی بھی نہیں سوائے چند گنے ہوئے ایام کے اور جو کچھ یہ گھڑتے رہے ہیں اس نے انھیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے سو اس روز جس میں ذرا شک نہیں جب ہم انھیں اکٹھا کریں گے تو کیا حال ہو گا اور ہر شخص کو جو کچھ اس نے کہا ہے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ذرا ظلم نہ کیا جائے گا۔

دنیا کا سب سے بڑا جرم آیات اللہ کا انکار اور جماعت انبیاء کا دردناک قتل!

ارشاد ہے کہ یہ اہل کتاب، اللہ تعالےٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور ان کے آباء و اجداد نے جو انبیاء علیہم السلام کا ناحق قتل عام کیا نفرت اور ناپسندیدگی کے اظہار کے بجائے اس کو پسندیدہ عمل قرار دیتے ہیں گویا کہ ان کی نظر میں انبیاء علیہم السلام کا قتل کوئی جرم نہیں بلکہ ان کے آباء و اجداد کا ایک کارنامہ ہے جس پر یہ فخر کرتے ہیں حالانکہ دنیا جانتی ہے اور ہر انصاف پسند کہے گا کہ انبیاء علیہم السلام کو ہمیشہ ظلماً اور ناحق ہی قتل کیا جاتا گیا کیونکہ دنیا کا یہی سب سے بڑا مقدس اور معصوم طبقہ ہے جس سے کبھی ایسا کوئی جرم سرزد نہیں ہو سکتا جس کی بناء پر قانونًا، شرعًا اور اخلاقًا حدود میں ان کی جان لینا جائز اور ضروری ہو۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے "بغیر حق"، حال ہے جس سے کلام کی تاکید مقصود ہے بلکہ یہی نہیں کہ انھوں نے انبیاء کی جان لی بلکہ ان کے ہاتھوں سے وہ مظلوم طبقہ بھی محفوظ نہ رہ سکا جو دنیا کو خیر کی جانب بلاتا اور برائیوں سے روکتا ہے یہ جماعت اگرچہ انبیاء کی نہیں تھی لیکن اپنے عمل کے اعتبار سے حضرات انبیاء علیہم السلام کی صحیح جانشین تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنو اسرائیل نے ایک بار صبح ہوتے ہی ۴۳ کے قریب انبیاء علیہم السلام کو بے دریغ تہ تیغ کر دیا۔ اس پر مضطرب ہو کر بنو اسرائیل کے تقریبًا ایک سو بارہ صالح آدمی خود کو ہلاکت میں ڈال کر سامنے آئے اور ان کے اس ملعون فعل پر مذمت کی۔ یہ ظالم مانتے تو کیا انھوں نے ان کو بھی بے تامل ذبح کر ڈالا۔ ارشاد ہے کہ اے محمد ﷺ ایسے ظلم پیشہ لوگوں کو جن کی بربریت سے انبیاء اور اخیار امت بھی نہ بچ سکے ہماری طرف سے ایک دردناک عذاب کی اطلاع دیدیجئے۔

(حاشیہ صلا ۲۷) مسلمانوں کی موجودہ مرعوبیت و مغلوبیت سے فائدہ اٹھا کر اسلام کو اس کی اعلیٰ سطح سے اتارتے ہوئے ان مذاہب کا ہم رشتہ قرار دیا جاتا ہے جن کا سارا سرمایہ شرک کی بدترین پونجی ہے اور وقت کی اس شہنائی کو بجانے میں بعض بر خود غلط مسلمانوں کا بھی ہاتھ ہے فالی اللہ المشتکی۔ خدا تعالیٰ نے ان آیات میں اس حقیقت کو بھی صاف کر دیا کہ دین کی بے غبار حقیقت کو گرد آلود کرنے کا جو کام دوسری ملتیں، انجام دیتی رہیں اس میں کسی حسن نیت و اخلاص کو دخل نہیں بلکہ کج فطرتی کی پیدا کردہ راہیں ہیں، ضد، معاندت، حسد و عداوت اس اختلاف کا باعث بنا ورنہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کا پسندیدہ دین "اسلام"، اپنی حقیقت کبریٰ کے ساتھ ان کے سامنے واضح صورت میں آچکا تھا، چرخ نیلی فام پر آفتاب کی ضیاء پاشیوں کو دیکھ کر جس سے تمام زمین منوّر اور روشن ہو چکی ہو، آفتاب کے وجود کا انکار کور چشمی، بے بصیرتی اور معاندت کی کھلی علامت ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ اگر یہ لوگ جو دین کی حقیقت میں اختلاف کر رہے ہیں اپنے تمام اختلافات کو چھوڑ کر ایک حقیقت جامعہ "اسلام"، پر جمع ہو جائیں تو فبہا ورنہ خدا تعالیٰ جو تمام بندوں کے اعمال کا صحیح اور مکمل جائزہ لے رہا ہے وہ خود ان سے نمٹ لے گا آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے تمام پیروؤں پر اسلام کی ناصح تبلیغ و دعوت دینا فرض تھی سو وہ فریضہ اپنے حدود اربعہ کے ساتھ ادا ہو چکا اور اب آپ پر کوئی ذمہ داری اس سلسلہ کی باقی نہ رہی۔

ظالموں کا یہی وہ گروہ ہے جن کے تمام اعمال دنیا میں اکارت گئے دنیاوی زندگی ان کی اچھی نہیں بلکہ ملعون ہے، یہاں کی رسوائی اور آخرت کا عذاب ان لوگوں کے حصہ میں آیا۔ دونوں عالم میں عذاب و محن جب ان پر آئے گا تو کوئی بھی ان کا مددگار نہ ہوگا۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو توراۃ کے علوم کا وافر حصہ دیا گیا تھا پھر ان کو اپنے باہمی معاملات اور دین کی دعوت کے سلسلہ میں توراۃ یا قرآن مجید کے فیصلوں پر عمل پیرا ہونے کیلئے اگر کہا جاتا ہے تو ان میں سے ایک جماعت اعراض کرتی ہے اور سچائی کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہود کے مدرسہ میں تشریف لیگئے اور وہاں پر موجود یہودیوں کو آپ نے دین کی دعوت دی اس پر نعیم بن عمرو اور حارث بن زید بولے کہ آپ کس دین کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ملت ابراہیمی" کی۔ وہ دونوں بولے کہ ابراہیم تو یہودی تھے آپ نے فرمایا کہ اگر تمہاری بات ٹھیک ہے تو توراۃ لاؤ ابھی فیصلہ ہو جائے گا کہ تم جو کچھ کہتے ہو صحیح ہے یا غلط۔ لیکن توراۃ کے لانے اور اس کے فیصلوں پر عمل کرنے سے ان دونوں نے صاف انکار کر دیا اسی پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ اپنی مذہبی کتاب کے فیصلوں سے یہ روگردانی، دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنی تمام بداعمالیوں کے باوجود یہ یقین ہے کہ آتش جہنم ہم کو ہمیشہ کے لئے نہ جلائے گی بلکہ اس کی مدت چند ہی روز ہے جن کو انھوں نے خود ہی متعین کر لیا یعنی ان کے خیال میں اس آتش عذاب کی مدت چالیس دن یا سینتالیس دن ہے وہی مدت جس میں ان کے آباء و اجداد نے گوسالہ پرستی کی تھی بلکہ ان معاملات میں ان کو ایک غلط قسم کا تخیل بھی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں، یہ کہتے ہیں کہ ہم معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کی اولاد یا اس کے محبوب بندے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ ہم کو کوئی عذاب و تکلیف دیگا بھی نہیں۔ ان باطل تصورات نے ان کو بری حرکتوں پر اور بھی جری کر دیا۔ انھیں اس دن کا خیال تک نہیں جبکہ ہم سب کو جمع کریں گے اور ہر ایک کو اس کے تمام اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا جس میں ذراسی بھی بے عنوانی نہ ہوگی۔[۵]

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ؗ

(اے محمدؐ) آپ (اللہ تعالیٰ سے) یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک جس کو چاہیں دیدیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اور جس کو آپ چاہیں غالب کر دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں پست کر دیتے ہیں آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت

قَدِيْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؗ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ

رکھنے والے ہیں آپ رات (کے اجزاء) کو دن میں داخل کر دیتے ہیں اور (بعض فصلوں میں) دن (کے اجزاء) کو رات میں داخل کر دیتے ہیں اور آپ جاندار

مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ؗ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

چیز کو بیجان سے نکال لیتے ہیں (جیسے بیضہ سے بچہ) اور بیجان چیز کو جاندار سے نکال لیتے ہیں (جیسے پرندے سے بیضہ) اور آپ جس کو چاہتے ہیں بیشمار رزق عطا فرماتے ہیں

[۵] آیات اپنے مطالب و مضامین کے اعتبار سے صاف ہیں یہود کے انبیاء کو قتل کرنے کی روایات جنمیں تعداد تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی گئی ہیں کچھ زیادہ قابل اعتبار نہیں بہرحال حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قتل تو بلاشبہ ان کے ہاتھوں ہوا ہے اور یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ خود یہود نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی جان لینے کی کوشش کی۔ آج بھی دنیا میں حق پرستوں کو ظلم پیشہ انسانوں کے ہاتھ اس طرح کے واقعات سے دوچار ہونا پڑتا ہے فالاسف کل الاسف

آپ تو یوں کہیئے کہ سارے جہان کے مالک جسے چاہے تو حکومت عنایت کرے اور تو ہی جس سے چاہے دی ہوئی حکومت چھین لے، جسے چاہے تو عزت دے اور جس کو چاہے تو ذلیل کر دے تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور تو بے جان سے جاندار نکالتا ہے اور جاندار سے بے جان کو، اور تو جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

مرکز اقتدار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ یوں کہیئے کہ اے مرکز اقتدار تمام دنیا، جہان میں ہر قسم کے تصرفات کے تمام اختیارات آپ ہی کو حاصل ہیں۔ دنیا کی سلطنت و شوکت شاہی آپ جس کو چاہیں عطا کر دیں اور فرخسروی سے جب چاہیں کسی کو محروم کر دیں۔ آیات میں پہلا ملک عام تھا باقی دو مرتبہ جن ملکوں کا ذکر آیا وہ خاص ہیں یعنی وہ ملک جن کو آپ دے چکے پھر چھین لیں لیکن پہلے ملک سے کوئی مخصوص.... مراد نہیں تھا کہ وہی عنایت فرمائیں بلکہ جو بھی چاہیں دیدیں۔ شان نزول سے متعلق روایات میں آیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح فرمایا تو اپنی امت سے وعدہ فرمایا کہ مجھ کو خدا تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ تمہارے ہاتھوں پر روم اور فارس کی سلطنتیں بھی فتح فرما دیگا۔ یہود نے یہ سنا تو بولے کہ ذرا مکہ کو کمزور لوگوں سے چھین کر اب مسلمانوں کی "لن ترانیاں" یہاں تک بڑھیں۔ بھلا روم اور فارس بھی کیا کسی کمزور قوموں کا ملک ہے جسے یہ لے سکتے ہیں، دماغ خراب ہوا ہے ان کا جبھی تو اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ یہود کی اسی ہزیاں سرائی پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

ارشاد ہے کہ آپ یوں بھی کہیئے کہ حکمرانی عطا فرما کر جسے چاہیں آپ سربلند فرما دیں اور جسے چاہیں تخت حکومت سے اتار کر بے قدر فرما دیں خیر اور شر سب کچھ آپ ہی کے اختیار میں ہے، جل مجدہٗ، عزّ اسمہٗ نے اس موقع پر اگرچہ صرف "خیر" ہی کا تذکرہ فرمایا لیکن مراد یہاں شر بھی ہے کیونکہ اسلامی عقیدہ کے مطابق اچھے اور برے تمام ہی تصرفات کا اختیار حضرت حق ہی کو ہے۔ نیز خیر کو ذکر کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہود نے مسلمانوں کیلئے فتح روم و فارس کو مشکل سمجھا تھا فتحمندی ایک خیر ہے جس کو وہ مسلمانوں کیلئے ناممکن سمجھ رہے تھے بس خدا تعالیٰ نے انھیں کے تخیلات کے پیش نظر تردید کیلئے صرف خیر ہی کا ذکر فرمایا واللہ اعلم۔

ارشاد ہے کہ ہر چیز پر قدرت کامل خدا تعالیٰ ہی کو ہے اور انسان کو دل سے اس پر یقین رکھتے ہوئے زبان سے بھی اپنے اس "یقین" کا اظہار کرنا چاہیئے۔ بعض مفسرین نے یوں بھی لکھا ہے کہ ملک سے ان آیات میں دنیا کی سلطنتیں، حکومتیں مراد نہیں بلکہ عافیت و قناعت کی لازوال سلطنت و پادشاہی مراد ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت میں سے جو لوگ فردوس بریں کی شہنشاہی کے وارث ہوں گے وہ وہی ہوں گے جو اپنی قناعت پیشگی کی وجہ سے ایک دن ہی کے خرچ پر اکتفا کرتے ہیں مزید کی تمنا، زیادہ کی ہوس سے ان کے پر قناعت دل ہمیشہ فارغ رہتے ہیں۔ طبقہ صوفیا کے ایک باخدا انسان شبلی کا ارشاد ہے کہ استغنا رنام ہے اس کا کہ آدمی کا دل دونوں جہان کی طلب سے یکسر خالی ہو۔ معرفت ربانی سب سے بڑی عزت اور قناعت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں انسان یہ سرمایہ حاصل کرے تو تخت و تاج کیا حیثیت رکھتے ہیں اس سرمایہ سے تہیدستی کے بعد ملک و حکمرانی بھی اگر مل جائے تو عزت نہ کہوں گا بلکہ انسانی اقدار کی سب سے بڑی پستی و نکبت قرار دوں گا۔

ان واضح اقتدار کے بیانات کے بعد اپنی قوت و طاقت، اختیار و اقتدار کی دسعتوں کو سامنے لانے کیلئے کچھ دلائل بھی پیش فرمائے ہیں مثلاً ہم ہی ہیں کہ رات کو اس کی تمام تاریکیوں کے ساتھ نور دن میں گم کر دیتے ہیں اور یہ بھی ہمارا ہی کام ہے کہ دن اپنے پورے اجالے کے ساتھ پردہ شب کی ظلمتوں میں چھپ کر رہ جاتا ہے۔ عربی لغت کے اعتبار سے ایلاج کسی چیز کو کسی میں داخل کرنا ہے

یہ لفظ یہاں اپنے حقیقی معنی میں نہیں بلکہ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور مفسرین کی رائے کے مطابق معنی یہ ہیں کہ کبھی دن چھوٹے اور لگا ہے راتیں، رات بڑی تو دن چھوٹا۔ اسی طرح زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے چنانچہ جاندار قطرۂ منی سے پیدا ہوتا ہے جو قطعاً ایک بیجان و بے حس چیز ہے یا چوزہ انڈہ سے نکلتا ہے، خود چوزہ ایک جان دار چیز اور انڈہ ایک بے جان شئے ہے۔ اور بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ مومن جو کہ اپنے ایمان کی وجہ سے زندہ جاوید ہے ایک کافر کے یہاں پیدا ہوتا ہے حالانکہ کافر کفر و شرک کی بنا پر کبھی بھی زندہ نہیں کہا جا سکتا۔ اور اسی طرح خدا تعالیٰ ہی کو یہ قدرت ہے کہ وہ مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے مثلاً نطفہ بے حس چیز، انسان سے نکلتا ہے یا انڈہ بے جان شئے ایک جاندار یعنی جانور کے یہاں، یا کافر ایک مومن گھرانہ اور نسل میں نشو و نما پاتا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہی جسے چاہے بیشمار رزق عطا فرماتا ہے، رزق کی یہ فراوانی اس قدر ہوتی ہے کہ مخلوق تو اس کو شمار بھی نہیں کر سکتی۔

ان تمام قدرت کی وسیع حدود کو سامنے لاکر بتانا یہ چاہتے ہیں کہ جو مقتدر یہ حیرت انگیز امور انجام دیتا ہے وہ بالیقین اس پر قادر ہے کہ عجم کے ہاتھوں سے تخت و تاج لے کر عرب کو عنایت کر دے، عجم نکبت و خواری کے طوق و سلاسل پہنیں اور عربوں کے سر پر ریاست و شہنشاہی کے زریں تاج ہوں۔ بعض کتابوں میں یہ مناجات بھی موجود ہے کہ میں اللہ ہوں جو بادشاہوں پر قادر و مالک ہے، بادشاہوں کے دل اور ان کی گردنیں میرے ہاتھ میں ہیں اگر بندے میری اطاعت کریں گے تو میں ان بادشاہوں کو ان کیلئے "رحمت" بنا دوں گا اور اگر مخلوق میری نافرمانی پر اتر آئے گی تو میں انھیں دنیاوی حکمرانوں سے ان کی گردن تڑوا دوں گا، سوائے انسانوں بادشاہوں پر کچھ اعتماد نہ کرو بلکہ میری طرف رجوع کرو کیونکہ بادشاہت کو مجسم رحمت یا علامت قہر و عذاب کر دینا تو میرا کام ہے، انھیں ارشادات کے ہم معنی وہ حدیث بھی ہے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ انسانوں پر انسانوں کے اعمال کے مطابق حاکم مسلط کرتا ہے، اگر بندے اچھے ہیں تو حکمران بھی بہتر اور اگر مخلوق کے اعمال بُرے ہیں تو ان پر مسلط حاکم بھی جور و استبداد کے خوگر ہونگے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

مسلمانوں کو چاہیئے کہ کفار کو (ظاہراً یا باطناً) دوست نہ بنائیں (مسلمانوں کی دوستی) سے تجاوز کر کے اور جو شخص ایسا (کام) کرے گا سو وہ شخص

لہ انسان اپنی نادانی، بے بصیرتی اور فہم و دانش کے حسین دھوکوں میں مبتلا ہو کر کیا کچھ سمجھتا ہے کبھی خود کو طاقت و قوت کا مرکز بتاتا ہے تو گاہے اسے اپنے اندر اقتدار و تصرف کے مالکانہ حقوق نظر آتے ہیں، ان شیطانی وسوسوں میں الجھ کر وہ اس ذات گرامی قدر سے یکسر ناآشنا ہو جاتا ہے جو واقعی قادر مقتدر اور ہر مالکانہ تصرف کا پورا پورا حق رکھتی ہے۔ ان آیات میں واضح طور پر انسان کو انھیں عقلی دھوکوں پر تنبیہ کی گئی ہے۔ دعا کے بالکل آغاز ہی میں مالک الملک کے الفاظ سے ہمہ نوع تصرف اور ہمہ بہت قدرتوں کو اپنے لئے مخصوص فرما دیا۔

آج دنیا کے لئے یہ تجربے کچھ نئے نہیں ہیں کہ صبح کو ایک انسان حکومت و اختیار کے شہنشاہی تخت پر آنکھیں کھولتا ہے اور شام اس طرح آتی ہے کہ ملک و تاج کا یہ مالک دوسرے ممالک کے سامنے صرف اپنی جان ہی کا تحفظ ایک سب سے بڑی بھیک قرار دیتا ہے۔ یہ تو وہ تصرفات ہوئے جن کو احمق انسان غالباً کچھ اپنے اثر و نفوذ کا بھی نتیجہ قرار دے اس لئے معاً بعد دن و رات کی گردشیں، لیل و نہار کی آمد و رفت کی داستان سنائی کہ جہاں انسانی اقتدار بالکل ہی بے بس نظر آتا ہے۔ اہل علم کے یہاں جاہل اور جاہل گھرانوں میں علم دوست انسانوں کا نشو و نما، رزق کی وسعت اور رزاقی کے مکمل مظاہرے خدا تعالیٰ کی مجیر العقول کارفرمائی کے منور دلائل ہیں۔

انظر شاہ

فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے

وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ○ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ

اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے آپ فرما دیجیے کہ اگر تم پوشیدہ رکھو گے اپنا ما فی الضمیر یا اس کو ظاہر کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو (ہر حال میں) جانتے ہیں اور

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ

وہ تو سب کچھ جانتے ہیں جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت بھی کامل رکھتے ہیں جس روز (ایسا ہوگا) کہ ہر شخص

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۛۚ ۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۛۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا

اپنے اچھے کئے ہوئے کاموں کو سامنے لایا ہوا پائے گا اور اپنے برے کئے ہوئے کاموں کو (بھی اور) اس بات کی تمنا کرے گا کہ کیا خوب ہوتا جو اس شخص

وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ○ؑ

کے اور اس روز کے درمیان میں دور دراز کی مسافت (حائل) ہوتی اور خدا تعالیٰ تم کو اپنی ذات (عظیم الشان) سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں بندوں پر

مومنوں کو ایسا ہرگز نہ چاہیئے کہ مومنوں کے ہوتے ہوئے کافروں کو اپنا دوست بنائیں اور اس ممانعت کے باوجود جو ان سے دوستی کرے گا تو خدا تعالیٰ کے یہاں اس کا کچھ شمار نہیں ہے مگر ہاں ایسی صورت میں کہ تم ان سے کچھ ضرر کا اندیشہ رکھتے ہو (تو فبہا) اور دیکھو اللہ تعالیٰ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور تم سب کو اللہ ہی کی طرف آنا ہے آپ کہدیجیے کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے خواہ تم اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ اس کو جانتا ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو جانتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جس دن یہ شخص اپنے کئے ہوئے نیک عمل کو اپنے سامنے لایا ہوا پائے گا اور اسی طرح ہر برے کام کو بھی۔ اس روز تمنا کرے گا کہ کاش اس شخص اور اس دن کے درمیان مسافت بعید ہوتی۔ اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنیوالا ہے

کفار سے ترک موالات

ان آیات میں مسلمانوں کو کفار سے تعلقات رکھنے سے بشدت روکا گیا ہے۔ تا آنکہ ان قرابتوں کی رعایت سے بھی ممانعت ہے جو مسلمانوں اور کفار میں تھیں اور دوستی کے ان ناتوں کو بھی یکسر ختم کر دینے کا حکم ہے جو اسلام سے پہلے مسلمانوں اور مشرکین مکہ میں چلے آتے تھے آپ اگر قرآن مجید کا بغور مطالعہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ قرآن مجید نے اس طرح کے احکام بار بار مسلمانوں کو دیئے ہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ایمان کے بعد خدا ہی کے لئے تعلق کرنا اور خدا ہی کے لئے توڑنا یعنی "الحب للہ والبغض فی اللہ" بڑی دولت ہے جو کسی کے نصیب میں آتی ہے۔

آیات میں اس پہلو کو بھی بخوبی واضح کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے تعلقات واقعی بڑی شقاوت ہے، بتایا گیا ہے کہ ہماری اس مخالفت کے باوجود جو شخص کفار سے تعلق رکھے گا تو خدا تعالیٰ کے یہاں ایسے مسلمان کا نہ اسلام معتبر نہ ایمان سند خدا تعالیٰ کے اولیا یعنی مسلمانوں پر اس کے دشمن یعنی کفار کو ترجیح دینا نفاق ہے ایمان نہیں۔

ہاں بعض صورتیں اس عام حکم سے ضرورت کے پیش نظر ہم خود مستثنیٰ کئے دیتے ہیں مثلاً تم کو کفار سے کسی واقعی ضرر و نقصان

کا اندیشہ ہو مثلاً کفار کو غلبہ ہو جس کی وجہ سے مسلمانوں کی جان و مال خطرہ میں ہو تو ایسے وقت میں بظاہر دوستی اور بباطن عداوت کی اجازت ہے یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ اپنے پرشکوہ نفس سے تم کو ڈراتا ہے سو تم ایسا ہرگز نہ کرنا کہ اس کے دشمنوں یعنی کفار سے تعلق قائم کر کے خود کو کہیں خدا تعالیٰ کے غضب و عقاب کا مستحق بنالو۔ ان آخری ارشادات میں کتنی شدید وعید ہے (کاش کہ مسلمان اس سے سبق لیں)۔
فرماتے ہیں کہ تم سب کو خدا تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر آنا ہے جہاں اس نے ایسے مجرموں کیلئے خاص عذاب تیار کر رکھا ہے جو خدا تعالیٰ کے صریح احکام کی مخالفت کرتے ہیں (گویا کہ یہ دوسری وعید ہے) فرماتے ہیں کہ آپ اے محمدؐ مسلمانوں کو صاف طور پر بتا دیجیئے کہ وہ اگر کفار کی دوستی کو دل میں لیکر چھپائیں یا ظاہر کریں خدا تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس لئے چھپانا اور ظاہر کرنا اس عالم الغیب کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں (ان ارشادات میں وعید کی انتہا کر دی) وہ زمین و آسمان کے ایک ایک ذرہ پر واقف اور مطلع ہے پھر اس کی واقفیت و اطلاع کی وسیع ترین حدود سے ایک انسان کے سربستہ راز یا کھلے عمل کیسے اچھے رہ سکتے ہیں؟ وہ ہر چیز پر قادر ہے اسلئے ایسے مسلمانوں کو سزا بھی خوب دے سکتا ہے جن سے احکام الٰہی کی مخالفت سرزد ہوئی ہو۔

ایک باطل و بے وقت تمنا

فرماتے ہیں وہ دن بہت قریب ہے جب انسان کے سامنے اس کے اچھے اور بُرے تمام اعمال آجائیں گے اُس دن بدعمل، بدکردار انسان اپنی بداعمالیوں کے بھیانک منظر کو دیکھکر دل سے تمنا کریگا کہ کاش مجھ میں اور اس دن میں مدتوں کی مسافت حائل ہوتی اور رسوائی و عذاب کی یہ گھڑیاں کبھی نہ آتیں اس لئے خدا تعالیٰ تم کو اپنی شدید گرفت اور پکڑ سے ڈراتے ہیں دیکھو کہیں اس کے بھرپور مواخذہ سے تمہارے دل غافل نہ ہو جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی یقین رکھو کہ وہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان بھی ہے یہ بھی اس کی عظیم ترین عنایت ہے کہ تم کو ایسے تمام بُرے کاموں سے روکتا ہے جو اس کی ناراضگی و عتاب کے موجب ہوں۔
بہرحال وہ اپنی وسیع قدرت کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ صرف اسی سے ڈرا جائے اور اپنی بے پایاں رحمتوں کے لحاظ سے اس کا مستحق ہے کہ خیر کی تمام توقعات اس سے قائم رکھی جائیں یہ آیت بالکل اسی آیت کی طرح ہے جس میں ارشاد ہے کہ انّ ربّك لذو مغفرة وذو عقاب الیم[۱]

---

[۱] ان سے پہلی آیات میں خدا تعالیٰ نے واضح طور پر بتایا تھا کہ ملک و حکومت، ریاست و وجاہت، اقتدار و بے بسی، زوال و کمال یہ سب تصرفات خدائے قہار و غالب کی جانب سے ہیں نہ کوئی انسان کسی کو ذلیل کر سکتا ہے نہ عزت دے سکتا ہے پھر کیا وجہ کہ بعض مومن ایمان کے با دبدبہ شوکت شرک سے مغلوب ہو کر کفار سے موالات اور دوستی کریں اس لئے ان آنے والی آیات میں ان مسلمانوں کو خاص طور پر جو نزول آیات کے وقت کفار مکہ، یہود و نصاریٰ وغیرہ سے تعلقات رکھتے تھے روکا گیا اور قیامت تک عام مسلمانوں کیلئے یہ ممانعت ایک قانون شرعی ہوگئی۔ ان آیات کا شان نزول اسی طرح کے واقعات ہیں، صاحب المنار شیخ عبدہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اہم بھول ہوئی اور وہ ان آیات کا شان نزول حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ کو بتا گئے ہیں حالانکہ ان کے واقعہ کے سلسلہ میں یہ آیات نہیں بلکہ یایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم الخ والی آیات نازل ہوئیں۔
یہاں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیئے موالات اور دوستی سے مراد ایک قلبی کیفیت ہے، مطلب یہ ہے کہ دل سے کسی کے تعلق کو موالات اور اردو میں دوستی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ موالات کے اس لغوی مفہوم کے پیش نظر کفار اور مخالف اسلام افراد اور جماعتوں سے دلی تعلق رکھنے کی ممانعت واضح طور پر معلوم ہوئی، بظاہر تعلق جو کسی مصلحت کی بنا پر ہو آیات میں ان کے متعلق ممانعت زیر بحث نہیں۔ فقہاء مفسرین نے [illegible]

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ

بڑے معاف کرنیوالے بڑی عنایت فرمانے والے ہیں (اور) آپ (یہ بھی) فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ اعراض کریں سو (سن رکھیں کہ)

الْكٰفِرِیْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى

اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے (نبوت کیلئے) منتخب فرمایا ہے (حضرت) آدم کو اور (حضرت) نوح کو اور (حضرت) ابراہیم کی اولاد (میں سے بعضوں) کو اور عمران کی اولاد

الْعٰلَمِیْنَ ○ ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ

(میں سے بعضوں) کو تمام جہان پر۔ بعضے ان میں بعضوں کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں خوب جاننے والے ہیں جبکہ عمران (پدر مریم) کی بی بی نے

عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ

(حالت حمل میں) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کیلئے اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جاوےگا سو آپ مجھ سے (بعد ولادت) قبول کر لیجئے

السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ

بیشک آپ خوب سننے والے ہیں خوب جاننے والے ہیں۔ پھر جب لڑکی جنی (حسرت سے) کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار میں نے تو وہ حمل لڑکی جنی۔ حالانکہ خدا تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں

(حاشیہ بقیہ صـ ۳۳) اس موقع پر لکھا ہے کہ کفار کے ساتھ حسن سلوک کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) موالات یا دلی تعلق (۲) مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی۔ (۳) مواسات یعنی حسن سلوک و نفع پہونچانا۔ لکھا ہے کہ ان تینوں صورتوں میں سے قلبی دوستی تو کفار کے ساتھ کسی حال میں بھی جائز نہیں اور مدارات یعنی ظاہری خوش خُلقی تو فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ تین موقعوں پر جائز ہے۔ (۱) کفار سے خود کو کوئی نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو تو مدارات کر سکتا ہے (۲) کافر کے متعلق توقع ہو کہ اگر ہم حسن سلوک اس کے ساتھ کریں گے تو وہ ایمان لے آئے گا یعنی ہدایت دین کے لئے مدارات کر سکتا ہے (۳) کافر اگر کسی مسلمان کے یہاں مہمان کی حیثیت سے آگیا تو اس کی خاطر مدارات کی جا سکتی ہے۔ ان تین صورتوں کے علاوہ کفار کے ساتھ مدارات جائز نہیں بلکہ اگر خود اپنے کسی نفع دنیاوی مثلاً حصول جاہ و اعزاز کیلئے کفار کے ساتھ مدارات کرتا ہے تو بالکل حرام ہوگا۔ رہ گئی تیسری صورت یعنی مواسات تو اس کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ اہل حرب یعنی وہ کفار جو مسلمانوں کے ساتھ برسرپیکار رہوں اور ان سے لام بندی کا معاملہ ہو رہا ہو ان کے ساتھ مواسات قطعاً ممنوع ہے اس کے علاوہ عام کفار کے ساتھ مواسات کر سکتا ہے۔ تقیہ یعنی ضرر و نقصان کے اندیشہ سے کفار کے ساتھ بظاہر تعلق رکھنا اس سلسلہ میں تمام فقہاء نے بصراحت لکھا ہے کہ ضرر کا اندیشہ یقین کی حد تک ہونا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ محض وہم کفار کے متعلق ہو گیا کہ ان سے ہم کو کوئی نقصان پہونچے گا اور تقیہ کی اجازت ہو جائے، نیز فقہاء نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ نقصان کوئی اہم پہونچنے کا یقین ہو معمولی ضرر کے وہمی اندیشوں پر تقیہ کی اجازت نہ ہوگی، کم از کم جان کا خطرہ ہو یا کسی عضو کے کاٹ دینے کا اندیشہ ہو تو تقیہ مناسب ہے ورنہ نہیں۔ اسی لئے قرطبی نے لکھا ہے کہ التقیۃ لا تحل الا مع خوف القتل او القطع او الایذاء العظیم جصاص نے بھی توجہ دلائی ہے کہ یعنی ان تخافوا تلف النفس او بعض الاعضاء و علیہ الجمہور۔

بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا

اس کو جو انھوں نے جنی اور وہ لڑکا جو انھوں نے چاہا تھا، اس لڑکی کے برابر نہیں اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا اور میں اس کو اور اس کی

بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○

اولاد کو (اگر کبھی اولاد ہو) آپ کی پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ بخشدیگا اللہ بڑا بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اس پر بھی اگر وہ اعراض کریں تو اللہ تعالیٰ کافروں سے بالکل محبت نہیں رکھتا۔ بیشک اللہ نے آدم ؑ، نوح ؑ کو اور خاندان ابراہیم و خاندان عمران کو سارے دنیا جہان پر برگزیدہ کیا ہے ایک دوسرے کی اولاد میں اور اللہ بہت سننے والا ہے اور بہت جاننے والا ہے۔ اور وہ وقت یاد کرو جب عمران کی بیوی نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے آپ کے لئے نذر مانی ہے اس بچہ کی جو میرے پیٹ میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائے گا سو یہ مجھ سے قبول کیجئے اور آپ تو بہت خوب سننے والے اور بہت جاننے والے ہیں۔ پھر جب ان کے مریم پیدا ہوئیں تو وہ بولیں کہ اے میرے پروردگار! میں نے تو لڑکی جنی ہے اور اللہ تو خوب جانتا تھا کہ اس نے کیا جنا ہے اور لڑکا اس لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا تھا اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے اور میں۔۔۔ اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔

اتباع رسولؐ ہی دراصل خدا تعالیٰ سے حقیقی محبت ہے

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جبکہ یہود نے کہا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کی چہیتی اولاد اور اس کے محبوب ترین بندے ہیں پھر وہ ہم کو عذاب کیسے دیگا، جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ زبانی دعووں سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ ہے تو ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو اگر تم ان کی اتباع کروگے بے شک ہم بھی تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ بندہ کی خدا تعالیٰ سے محبت کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ بندہ خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت ہرگز نہ کرے اور خدا تعالیٰ کا بندہ کو محبوب رکھنا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے ہیں اور اس کے اعمال کو قبول فرما لیتے ہیں۔

حسن بصری ؒ کہتے تھے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک جماعت نے اللہ سے محبت کا دعویٰ کیا تھا سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کی عمل سے تصدیق چاہی اور معیار یہ قرار دیا کہ اگر ہم سے واقعی محبت رکھتے ہو تو ہمارے رسول کی اتباع کرو لیکن دعویٰ محبت کے باوجود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے انحراف بڑی جسارت بلکہ قابل نفرت شقاوت ہے یہ شخص کذاب ہے اس کے دعویٰ محبت کی تکذیب خود کتاب اللہ کرتی ہے۔

بعض صوفیاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بندہ کی محبت کے آثار و مظاہر اس صورت میں ظاہر ہوتے ہیں کہ بندہ کو عرفان رب حاصل ہو جائے، وہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے لگے اور اس کا قلب دائماً خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ اور زبان اس کے ذکر سے تر ہو، اسے خدا تعالیٰ کے ساتھ ارتباط ہو وحشت و نفرت نہ ہو، بعض یہ بھی لکھتے ہیں کہ محبت الٰہی کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ

بندہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تمام افعال واقوال میں پوری پوری اتباع کرے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص افعال واقوال نہ ہوں ظاہر ہے جو آپؐ مخصوص اپنے ہی لئے کام وامور انجام دیتے ہیں اس کو چھوڑ کر باقی آپؐ کے تمام معاملات وارشادات، اُمت کے لئے واجب الاطاعت ہیں۔ اکابر صوفیاء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب بندہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے لگتا ہے تو اس کے تمام اذکار کا مرکز خدا تعالیٰ کی ذات وصفات ہو جاتی ہیں، وہ دنیا سے پہلو تہی کرنے لگتا ہے، خاموشی اس کی عادت ہو جاتی ہے دنیا اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے لیکن وہ اعراض کرتا ہے، دنیا اس کو پکارتی ہے لیکن وہ اس کی صداؤں پر کان نہیں دھرتا مصائب اور پریشانیاں اس کو رلانا چاہتی ہیں لیکن اس کا صبر غم وفکر کے لشکر کو شکست دیتا ہے، دنیا کی کامیابیاں اس کو کبر وغرور میں مبتلا کرنا چاہتی ہیں لیکن اس کی فروتنی کے سامنے دنیا کی یہ چھری بھی کند ہو جاتی ہے وہ نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ شوکت شاہی وفر خسروی اس کو مرعوب کر سکتی ہے نہ وقت کے اقتدار سے اس کو کوئی توقع اور امید ہوتی ہے۔ غرض کہ وہ اپنے میں مگن اور اپنے خدا میں خود کو گم کئے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ ہیں واضح علامتیں خدا تعالیٰ کے سچے محبین کی۔ انھیں سے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے کیونکہ خدا تعالیٰ بڑے غفور اور رحیم ہیں۔

آخر میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ آپ اے محمدؐ عام طور پر سب کو یہ بات بتا دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی تمام دنیا سے اطاعت مطلوب ہے اگر اطاعت کرتے ہیں تو فبہا اور اگر اطاعت نہیں کرتے تو یاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ کفار سے ذرا بھی محبت نہیں رکھتا پھر محبت کا کفار کی جانب سے دعویٰ قطعاً یک طرفہ اعلانات ہیں اور وہ بھی جھوٹے، غلط اور ناقابل اعتبار کیونکہ کفار کا عمل ان دعوؤں کے مطابق نہیں ہے۔

یہ انبیاء کرام خلاصۂ عالم ہیں

ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم کو جو تمام انسانوں کے باپ ہیں اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو انبیاء کے سردار ہیں اور ابراہیم نیز اسمٰعیل واسحٰق علیہما السلام اور ان کی اولاد کو اور آل عمران یعنی موسیٰ وہارون علیہما السلام جو عمران بن یصہر کے بیٹے ہیں اور عیسیٰؑ نیز مریم بنت عمران بن ماثان۔ ان عمران اور مقدم الذکر عمران کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کی مدت حائل ہے۔ بہر حال ان سب کو خدا تعالیٰ نے اپنے اپنے زمانے میں تمام دنیا جہان پر ایک امتیاز، فوقیت عطا فرمائی تھی جس کے نتیجہ میں بلاشبہ یہ سب خدا تعالیٰ کے منتخب بندے تھے۔ عمران نامی دو اشخاص کی یہ دو نسلیں آگے چل کر ایک ہی سلسلہ سے متعلق ہو جاتی ہیں گویا کہ ایک ہی درخت ہے جس کی یہ مختلف شاخیں ہیں۔ اس طرح کہ موسیٰ وہارون، عمران کی اولاد ہیں عمران خود یصہر کے لڑکے ہیں اور پھر سلسلہ یوں چلتا ہے کہ یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب ابن اسحٰق، اور دوسرا اس طرح ہے عیسیٰ بن مریم بنت عمران بن ماثان جو کہ بالآخر یہود ابن یعقوب بن اسحٰق سے جا ملتے ہیں اور اس طرح یہ دونوں سلسلے ابراہیم علیہ السلام پر جا کر منتہی ہوتے ہیں اور انھیں ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بعض مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ آیات کا مطلب یہ ہے کہ یہ مختلف نسلیں دین کے اعتبار سے ایک ہی نقطۂ نظر پر اکٹھی ہوتی ہیں لیکن اس تفسیر سے بہتر وہی پہلی تفسیر ہے جس کا حاصل مختلف نسلوں کے باہمی رشتے وقرابت کو بیان کرنا مقصود ہے، ترکیب نحوی کے اعتبار سے ذریت۔ "آل ابراهیم وآل عمران سے بدل ہے اور بعضها من بعض مبتدا ہے اور اس کی خبر محلاً منصوب ہے جو ذریت کی صفت واقع ہو رہی ہے۔

آخر میں ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ "سمیع وعلیم" ہے وہ ان مصالح کو خوب جانتا ہے جن کے پیش نظر اس خاندان کو انتخاب کیا گیا اور کیونکہ وہ سمیع ہے اسی لئے اس نے عمران اور ان کی بیٹی کی باتوں کو خوب سنا جس کا تذکرہ اب شروع ہوتا ہے۔

ایک عجیب واقعہ مریم کی پیدائش اور کلیسا کی خدمت

فرماتے ہیں کہ وہ واقعہ اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ اس کو سنایا جائے جبکہ عمران کی بیوی نے جن کا نام حنہ بنت فاقوذا تھا جو حضرت مریم کی والدہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی ہیں باخلاص تمام عرض کیا کہ اے میرے پروردگار جو بچہ اس وقت بصورت حمل میرے پیٹ میں ہے میں اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے مخصوص کرتی ہوں میں اس بچہ کو خود اپنے کسی مقصد کے لئے کبھی استعمال نہ کروں گی اور نہ اس سے اپنی کوئی خدمت لوں گی اس طرح کی نذر ان کے دور میں اور ان کے مذہب میں مشروع تھی۔

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ مطلب ان کا یہ تھا کہ اس بچہ کو میں صرف عبادت ہی کے لئے مخصوص کر دونگی اور کوئی کام اس سے نہ لوں گی۔ اگر یہ مطلب لیا جائے تو الفاظ میں اس کی گنجائش موجود ہے کیونکہ عربی زبان میں لفظ "حر" خالص کے معنی میں استعمال ہے کہتے ہیں کہ "طین حر" یعنی خالص مٹی۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے "محررا" ما سے حال واقع ہو رہا ہے اور ما۔ الذی کے معنی میں ہے۔ اور یہ بھی انھوں نے عرض کیا کہ اے پروردگار آپ میری اس نذر کو قبول کر لیجئے واقعی آپ انسانوں کی تمام باتوں کو سننے والے اور ان کی نیتوں کو خوب جاننے والے ہیں سو آپ سے میرے وہ پاکیزہ جذبات مخفی نہیں جن کے تحت میں اپنے اس بچہ کو نذر کرتی ہوں عربی لغت کے اعتبار سے تَقَبَّلْ کے معنی کسی چیز کو پوری خوشنودی کے ساتھ قبول کرنے اور لینے کے آتے ہیں۔

فرماتے ہیں اور جب ان حنہ کے یہاں بچہ پیدا ہوا وضعتھا کی ضمیر مونث مافی بطنی کی طرف راجع ہے اور ضمیر مونث یا تو حبلۃ کی رعایت سے لائے کیونکہ وہ لفظ کے اعتبار سے مونث ہے یا نفس یا پھر نسمہ کے لحاظ سے نفس اور نسمہ بھی عربی میں مونث ہی مستعمل ہیں۔ بہر حال "حنہ" کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی تو وہ بیچاری ازراہ معذرت وافسوس کہنے لگیں کہ اے اللہ میرے یہاں تو لڑکی پیدا ہوئی ہے، اس دور میں بیت المقدس کی خدمت کے لئے صرف لڑکے ہی لئے جاتے تھے۔ اس لئے حنہ کو لڑکی کی پیدائش پر شدید رنج و تاسف ہوا۔ حضرت حق جل مجدہٗ فرماتے ہیں کہ حالانکہ خداتعالیٰ کو خوب معلوم تھا کہ حنہ کے یہاں کیا پیدا ہوا ہے لڑکا یا لڑکی اور یہ کہ یہ لڑکی اپنی اہم ترین خصوصیات کے اعتبار سے سینکڑوں منتخب لڑکوں سے بمراحل آگے ہے اور کوئی لڑکا جو حنہ کا مطلوب تھا اس لڑکی کے برابر نہیں ہو سکتا جو ان کو عطا کی گئی تھی۔

مریم عذرا

حنہ نے یہ بھی عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں اس بچی کا نام مریم رکھتی ہوں۔ حنہ نے خاص طور پر اس بچی کا نام اس لئے ذکر کیا کہ عبرانی زبان میں مریم کے معنی عابدہ کے آتے ہیں جو ہمہ اوقات خداتعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو۔ تو حنہ خداتعالیٰ سے یہ نام رکھکر گویا کہ دعا کر رہی تھیں کہ خدا کرے کہ یہ بچی اپنے نام کی طرح واقعی عابدہ وزاہدہ ہو، یہ خداتعالیٰ کی عبادت کرے اور خداتعالیٰ اس کی عبادت کو قبول کرلیں۔

یہی وجہ ہے کہ حنہ نے بعد میں مریم اور ان کی پوری نسل کے لئے یہ دعا کی کہ وہ شیطانی اثرات سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ شیطان سب سے زیادہ انسان کو عبادت ہی کے معاملہ میں دھوکہ دیتا ہے چنانچہ حنہ نے عرض کیا کہ اے میرے پاک پروردگار میں اس بچی کو اور اس کی اولاد کو شیطان ملعون کے تصرفات، اغوائی کوششوں سے آپ ہی کے حفظ و امان میں دیتی ہوں حدیث میں آیا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا بچہ نہیں کہ جب وہ پیدا ہو تو شیطان اس کے چوکے نہ لگائے جس کی وجہ سے بچہ پیدا ہوتے ہی روتا ہے بجز مریم اور ابن مریم کے کہ یہ دونوں شیطانی چوکوں سے محفوظ رہے (اور یہ انکی والدہ کی دعا تھی جسے خداتعالیٰ

نے اپنی رحمت سے قبول فرمالیا تھا۔

ف۵ پچھلی آیات میں ارشاد فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ کے محبوب بندے وہی ہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع کرتے ہیں اور پھر براہ راست تمام دنیا کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی طرف بلایا گیا تھا۔ ذیل کی آیات میں ان اخیار و ابرار کا مختصر سا تذکرہ ہے جو خدائے تعالیٰ کی اطاعت کاملہ کے نتیجہ میں تمام دنیا جہان پر برگزیدہ کئے گئے اور کیونکہ آیات میں خاص طور پر خطاب اہل کتاب کو تھا اس لئے مفصل تذکرہ انھیں انبیاء کا آیا جو نصاریٰ اور بنو اسرائیل کے سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں نیز دعوت کیونکہ عام تھی اور انتخاب و برگزیدگی کا معیار خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے جو کسی نسل و خاندان کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ جو بھی معیار اطاعت پر پورا اترے وہی اصطفاء و انتخاب کا مستحق ہے اس لئے حضرت آدمؑ ابو البشر کا بھی ذکر فرمایا۔ صاحب المنار نے ان آیات کا ماقبل سے ربط لکھتے ہوئے اسی طرح کے خیالات کا ذرا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا ہے لکھا ہے کہ لما بین سبحانہ وتعالیٰ ان محبتہ منوطۃ باتباع الرسول فمن اتبعہ کان صادقاً فی دعوی حبہ للّٰہ وجدیراً بان یکون محبوباً منہ جل وعلی، اتبع ذلک ذکر من احبھم واصطفاھم جیسا کہ معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے باپ اور اس خاکدان ارضی میں خدا تعالیٰ کے سب سے پہلے خلیفہ اور پیغمبر کائنات ہیں لیکن سلسلہ نسل آدمؑ، نوح علیہ السلام کے دور میں اٹھے ہوئے خوفناک و غرق کن طوفان کی خون آشام موجوں میں ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ دنیا کا دوسرا سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام سے قائم ہے اور اسی لئے ان کو "ابو البشر ثانی" کہا جاتا ہے ان کی نسل میں بہت سے انبیاء و رسل ہوئے لیکن آخر کار بت پرستی، نبوت کے اس پاکیزہ خانوادہ میں پھیل گئی۔ تا آنکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام امام الموحدین کی حیثیت سے اس خانوادہ میں پیدا ہوئے جن کی پر زور کوششوں سے بت پرستی کا مضبوط قلعہ زمین پر آرہا فصلوات اللہ علیھم اجمعین۔ یہ سب حضرات ایک ہی نسل سے تھے اور ان کا آبائی سلسلہ ایک ہی شخصیت پر جا کر ختم ہوتا ہے اسی لئے قرآن مجید نے ذریۃ بعضھا من بعض کے الفاظ سے اتحاد نسل کی جانب توجہ دلائی۔ یہ ارشاد انسانوں کی اس تجزی پر بھی ایک ضرب کاری ہے کہ نسل ایک، خون ایک، گوشت و پوست ایک، ہر ایک چیز مشترک، مساوی، مابہ الامتیاز کچھ بھی نہیں پھر دین کے بارہ میں یہ تشتت، یہ اختلاف آخر کیوں ہے، ذیلاً ابن مریم کی پیدائش اور اس اعلیٰ و ارفع خانوادہ کے مقدس اور نیک نہاد بیبیوں کا بھی ذکر آ گیا جیسا کہ مدارک کے مصنف نے بھی لکھا کہ "امرأۃ عمران" سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی ہیں جن کا نام مفسرین حنہ لکھتے ہیں شام وغیرہ کے علاقہ میں اب تک کلیسا دیر حنۃ کے نام سے مشہور ہیں یہ بھی لکھا ہے کہ ان حنۃ کی قبر دمشق میں ہے۔ بحر المحیط میں ہے کہ وقبر حنۃ جدۃ عیسیٰ بظاھر دمشق۔
آپ مدارک میں پڑھ چکے ہیں کہ اس دور میں کلیسا کی خدمت اور عبادت کے لئے اس طرح کی نذر جس میں مولود، دنیا سے کلیۃً منقطع ہو کر کلیسا ہی کی خدمت کے لئے رہ جائے ایک قانون مذہب و شریعت ہی کے تحت آتی تھی لیکن اس نذر میں ہمیشہ لڑکے ہی منتخب ہوتے ہوا یہ کہ حنۃ نے نذر کی اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ان کے یہاں لڑکے کے بجائے لڑکی پیدا ہو گئی جس پر حسرت و رنج کے ساتھ انھوں نے وہ الفاظ کہے جو قرآن مجید نے نقل کئے ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ واللّٰہ اعلم بما وضعتہ ولیس الذکر کالانثیٰ یہ کلام حنۃ کا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے جو جملہ معترضہ کی حیثیت سے درمیان میں آ گیا اور اس سے مقصود مریم بتول کی پاکیزگی، ان کے تقدس اور اہمیت و فضیلت کو بیان کرنا ہے کہ اے حنۃ تم کیا جانو، جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہ اپنی فضیلت و شرف کے اعتبار سے کروڑوں مردوں پر فائق ہے، اس نومولود کی پیدائش پر جو بظاہر تمہارے مقصد کو پورا نہیں کرتی تم رنجیدہ نہ ہو بلکہ شکر و نیاز کا موقع ہے کہ تمہارے بطن سے وہ منتخبۂ روزگار پیدا ہوئی کہ جو گوناگوں حیثیات سے آیات اللہ کا مظہر ہو گی۔ آیات کی تفسیر زیر قلم ہیں (باقی ص ۳۹ پر)

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ

پس اُن (مریم علیہا السلام) کو ان کے رب نے بوجہ احسن قبول فرمایا اور عمدہ طور پر ان کو نشو ونما دیا۔ اور (حضرت) زکریا ؑ کو ان کا سرپرست بنایا۔ سو جب کبھی

عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ

زکریا (علیہ السلام) اُن کے پاس عمدہ مکان میں تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے (اور) یوں فرماتے کہ اے مریم ؑ یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا

آئیں وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے استحقاق رزق عطا فرماتے ہیں اس موقع پر دعا کی (حضرت) زکریا (علیہ السلام)

رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ۝

نے اپنے رب سے۔ عرض کیا کہ اے میرے رب عنایت کیجئے مجھ کو خاص اپنے پاس سے کوئی اچھی اولاد بے شک آپ بہت سننے والے ہیں دعا کے

فَنَادَتْهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ وَھُوَ قَاۗىِٕمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ

پس پکار کے کہا ان سے فرشتوں نے اور وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں

بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

یحییٰ کی جن کے احوال یہ ہوں گے کہ وہ کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور مقتدا ہوں گے اور اپنے نفس کو (لذات سے) بہت روکنے والے ہونگے اور نبی بھی ہونے والے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ

زکریا ؑ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھ کو بڑھاپا آپہونچا اور میری بی بی بھی بچہ جننے کے قابل نہیں، ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اسی

يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ

حالت میں لڑکا ہو جائیگا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ جو کچھ ارادہ کریں کر دیتے ہیں۔ انھوں نے عرض کیا اے پروردگار میرے واسطے کوئی نشانی مقرر کر دیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری نشانی یہ ہے

اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝ ع

کہ تم لوگوں سے تین روز تک باتیں نہ کر سکو گے بجز اشارہ کے۔ اور اپنے رب کو (دل سے) بکثرت یاد کیجو اور (زبان سے بھی) تسبیح (تقدیس) کیجو دن ڈھلے بھی اور صبح کو بھی (کہ اسکی قدرت رہیگی)

ع ۱۲

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۳۸) کہ اچانک قلب میں وارد ہوا کہ حضرت مریم کے اس قصہ سے دراصل بتانا یہی ہے کہ انتخاب و اصطفا ء کا معیار اطاعت ربی ہے، یہ انتخاب نہ نسل کے ساتھ متعلق اور نہ مرد پر موقوف، انسانوں کے وہ گم کردہ راہ قافلے جنھوں نے عظمت و فضیلت صرف مردی کے لئے خاص کر چھوڑی تھی ان کے بہکے ہوئے خیالات کی یہ کیسی مستحکم اور مکمل تردید ہے۔ باقی آیات صاف ہیں اور مصنف مدارک نے ان پر تشریح کا پورا قلم اٹھایا ہے۔

پھراس کے پروردگار نے اس کو بہت اچھی طرح قبول کرلیا اور اس کو بہترین نشوونما دیا اور اس کا سرپرست زکریاؑ کو بنادیا۔ جب کبھی زکریاؑ حجرہ میں ان کے پاس آتے تو ان کے پاس کوئی چیز کھانے پینے کی پاتے۔ ایک روز انھوں نے مریم سے پوچھا کہ اے مریم یہ چیزیں تم کو کہاں سے ملتی ہیں وہ بولیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آجاتی ہیں بیشک اللہ جس کو چاہے بےحساب رزق دیتا ہے۔ بس وہیں زکریاؑ اپنے پروردگار سے دعاء کرنے لگے اور عرض کی اے میرے پروردگار مجھے اپنے پاس سے کوئی پاکیزہ اولاد عطاکر، بے شک تو دعاء کا بہت سننے والا ہے پس انھیں فرشتوں نے آواز دی جبکہ وہ حجرہ میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو "کلمۃ اللہ" کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور مقتدا ہوں گے اور بڑے ضبط نفس کرنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے صالحین میں سے۔ زکریا بولے اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر کردیجئے ارشاد ہوا کہ تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے بات نہ کرسکے گا تین دن تک بجز اشارہ کے۔ اور اپنے پروردگار کو بکثرت یاد کرتے رہو اور تسبیح کرتے رہو دن ڈھلے بھی اور صبح بھی۔

مریم کا نشوونما، عہد طفلی و جوانی کی کرامات حضرت زکریا علیہ السلام کی مقبول دعائیں

ارشاد ہے کہ مریم کی والدہ کی نذران کے اخلاص کے پیش نظر قبول کرلی گئی اور کلیسا کی تاریخ کے بالکل خلاف مریم لڑکی ہونے کے باوجود کلیسا کی خدمت کے لئے منتخب ہوگئیں حالانکہ ان سے پہلے کلیسا کی پوری تاریخ میں کوئی لڑکی منتخب نہیں ہوئی تھی۔ بعض مفسرین نے یہ بھی معنی لکھے ہیں کہ مریم ولادت کے بعد نشوونما سے پہلے ہی بلکہ کلیسا کی خدمت کے قابل ہونے سے قبل ہی خدا تعالیٰ کے یہاں قبول کرلی گئیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب مریم پیدا ہوئیں تو ان کی والدہ حنہ ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بیت المقدس میں لائیں اور راہبوں کے سامنے ان کو پیش کیا۔ یہ راہب بیت المقدس میں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو کہ خانہ کعبہ میں حاجبین کو حاصل ہے یہ حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھے۔ حنہ نے پیش کرتے ہوئے کہا کہ لیجئے یہ بچی اس مقدس گھر کی خدمت کے لئے نذر ہے، لکھا ہے کہ تمام موجود پادری مصر ہوگئے کہ ہم اس بچی کو رکھیں گے کیونکہ یہ نومولود، بیت المقدس کے تمام راہبوں کے امام کی یادگار تھی اس لئے ہر ایک کی دلی تمنا تھی کہ مریم کی کفالت و تربیت کی سعادت اسی کے حصہ میں آئے لیکن زکریا علیہ السلام نے کہا کہ بچی کا زیادہ حق کفالت و پرورش مجھ کو ہے کیونکہ اس بچی کی حقیقی خالہ میرے نکاح میں ہیں وہ اپنی بھانجی کی نگہداشت جس توجہ اور انہماک کے ساتھ کریں گی وہ دوسروں سے ممکن نہیں لیکن موجود راہبوں نے اس دلیل کو ماننے سے انکار کردیا اور بولے کہ اب پرورش کے اصل حق کا فیصلہ ہمارے اور آپ کے مطالبہ اور دلائل سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فیصلہ سے ہوگا ہم سب کو چاہیئے کہ قرعہ اندازی کریں جس کے نام قرعہ نکل آئے وہی لڑکی کی تربیت اور دیکھ بھال کا ذمہ دار ہوگا اس پر سب تیار ہوگئے اور دریا کی طرف روانہ ہوئے اس وقت ان کی تعداد ستائیس تھی، کہتے ہیں کہ ان سب نے اپنے قلم دریا میں ڈالے اور یہ طے ہوا کہ پانی کی روانی اور بہاؤ کے بالکل خلاف جس کا قلم اوپر چڑھ آئے وہی اس بچی کا کفیل ہو، تمام قلموں پر ہر راہب کا نام لکھا ہوا تھا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ سب قلم پانی کے بہاؤ کے رُخ پر بہہ گئے لیکن حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم بہاؤ کے خلاف اوپر کو چڑھنے لگا، قدرت کے اس انتخاب کو ہر ایک نے تسلیم کرلیا اور مریم عذراء اپنے خالو و خالہ کے گھرانے میں پرورش پانے لگیں ارشاد ہے کہ ان کی نشوونما بھی بڑے اچھے انداز میں ہوئی گویا کہ ان آیات میں "انبات" کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے ورنہ اس لفظ کے

معنی تو درخت وغیرہ کے اُگنے کے ہیں لیکن یہاں نشو ونما کے لئے استعمال کیا گیا۔ عطار کہتے تھے کہ جس دوشیزہ عفیفہ کے یہاں عیسیٰ علیہ السلام ایسا جلیل القدر نبی پیدا ہوا اس کے بہترین نشو ونما میں کیا شبہ کیا جا سکتا ہے؟

ارشاد ہے کہ اس قرعہ کے نتیجہ میں حضرت زکریا علیہ السلام بلا شرکت غیرے مریم بتول کے نگراں و مربی مقرر ہوئے حضرت زکریا نے مریم کے لئے مسجد اقصیٰ میں بالائی منزل پر ایک کمرہ مخصوص کر دیا تھا جس پر زینہ سے آنا جانا ممکن تھا۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ محراب کے معنی قابل احترام مقامات کے ہیں گویا کہ مسجد ہیں۔ زکریا علیہ السلام نے ان کے لئے جو جگہ یا کمرہ مخصوص کیا تھا وہ تمام مسجد کے بہترین مواقع میں سے تھا۔ اگرچہ بعض مفسرین کی یہ بھی تحقیق ہے کہ یہود کے یہاں عام طور پر مساجد کے لئے محراب کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس لئے اس لفظ سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ زکریا علیہ السلام نے مریم کو مسجد میں رکھا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کمرہ میں سوائے حضرت زکریا کے اور کسی کی آمد و رفت نہیں تھی۔ لیکن خود حضرت زکریا کے لئے یہ واقعہ حیرت انگیز تھا کہ جب کبھی وہ حضرت مریم کے کمرہ میں داخل ہوتے تو وہاں کھانے پینے کی متنوع چیزیں ہمیشہ موجود ہوتیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ مریم کے لئے یہ ماکولات و مشروبات جنت سے آتے اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ مریم نے اپنی والدہ کا دودھ کبھی نہیں پیا۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی روایات میں آتا ہے کہ سیدہ مریم کے پاس جب حضرت زکریا بے موسم پھل پاتے تو ان کو اور بھی حیرت ہوتی ایک دن حضرت زکریا مریم سے پوچھ ہی بیٹھے کہ مریم اول تو یہ کھانے پینے کی چیزیں اور وہ بھی بکثرت غیر موسمی پھل تمہارے پاس کہاں سے آتے ہیں؟ مریم نے بتایا کہ یہ سب کچھ منجانب اللہ ہے اس لئے آپ ان باتوں پر کچھ حیرت نہ کیجئے، ہمارے روایات پسند علماء نے لکھا ہے کہ زکریا علیہ السلام کی یہ گفتگو مریم سے اس زمانے میں ہوئی جبکہ وہ خورد سال بچی تھیں۔ یہ روایتی مفسرین کہتے ہیں کہ مریم اپنے بیٹے عیسیٰ کی طرح گہوارہ ہی کی زندگی میں اس طرح کی باتیں کرتی تھیں لیکن کسی مستند روایت سے یہ بات ثابت نہیں بلکہ عجوبہ پسند طبقوں کے گھڑے ہوئے افسانے ہیں۔ اور مریم نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں جتنا دیں۔ تقسیم نہ مقدار پر موقوف اور نہ تقسیم میں انسانوں کے اعمال و استحقاق پیش نظر۔

مومنہ قانتہ کے جواب سے زکریا علیہ السلام کے جذبات بندگی میں تموج نسل زکریا کی شادابی کی مخلصانہ دعائیں اور قبولیت دعا کی بشارت

ارشاد ہے کہ زکریا علیہ السلام جو اپنے بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ پن کی وجہ سے اپنے یہاں کسی اولاد کی پیدائش کے امکانات کو بھی فراموش کر چکے تھے بے موسم کے ان پھلوں کی ریل پیل دیکھ کر اور مریم سے ان کا یہ جواب سن کر کہ خدا تعالیٰ مجھ کو دیتا ہے اور وہ دینے پر اور ہر چیز کے دینے اور ہر وقت دینے پر پوری طرح قادر ہے زکریا علیہ السلام نے وہیں جہاں مریم سے یہ گفتگو ہو رہی تھی یا اسی وقت اس جگہ سے ہٹ کر باخلاص تمام یہ دعا کی کہ اے دعاؤں کے سننے والے، اے کریم، اے پروردگار عالم مجھ کو بھی ایک بچہ عنایت فرمایئے جو عادات و خصائل میں اگر ایک طرف پاکیزہ ہو تو دوسری جانب نبوت کے عظیم منصب کا پوری طرح اہل بھی ہو، واقعی اے پروردگار آپ دعاؤں کے سننے والے ہیں۔ یہ دعا ابھی زکریا علیہ السلام کے ہونٹوں سے آشنا ہوئی تھی کہ رحمت مجسّم نے بڑھ کر اسے قبول فرمالیا، در اجابت کھل گیا اور قبولیت دعا کی خوشخبری فرشتوں کے ذریعہ حضرت زکریا ع کو بھی دی گئی۔ زکریا ابھی اپنے مصلے پر مصروف دعا ہی تھے کہ فرشتہ خدا تعالیٰ کا یہ پیغام جانفزا لیکر حاضر ہوا۔ آیات میں اس تذکرہ سے کہ حضرت زکریا ع نے نماز کے بعد دعا کی صوفیاء نے یہ مستنبط کیا ہے کہ نماز کے بعد دعا خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔ مشہور صوفی ابن عطار کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ

انسان کے لئے بہترین حالات اسی وقت پیدا فرماتے ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو، اس کی عبادات میں اخلاص ہو اور اس کا دل مسجد و محراب کے گوشوں میں اٹکا ہوا نہ ہو اس کے بغیر نہ دعا مقبول ہوتی ہے اور نہ کشود کار ہوتا ہے۔

فرشتہ نے کہا کہ اے زکریا خدا تعالیٰ آپ کو ایک ایسے نومولود کی بشارت دیتا ہے جن کا نام خود خدا تعالیٰ نے "یحییٰ" تجویز فرمایا جو کلمۃ اللہ کی خاص طور پر تصدیق کرنے والا ہوگا، مفسرین نے لکھا ہے کہ کلمۃ اللہ سے مراد سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ حضرت یحییٰ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کیا، تصدیق کی اور ان کی حمایت و نصرت کے لئے خود کوشش کی حضرت عیسیٰ کو قرآن مجید نے کلمۃ اللہ اس لئے کہا کہ وہ کلمۂ "کُن" سے پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت عام بچوں کی طرح ماں باپ کے اجتماع سے نہیں ہوئی بلکہ ان کا تو کوئی باپ ہی نہیں اور ہو سکتا ہے کہ کلمۃ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے وہ صحیفے مراد ہوں جو خود حضرت یحییٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے اور جن کی تصدیق سب سے پہلے بحیثیت نبی یحییٰ علیہ السلام ہی نے کی۔ اور یہ بھی کہ وہ اپنی قوم کے متفقہ سردار ہوں گے۔ سردار وہی شخص ہو سکتا ہے جس نے اپنی بے عیب زندگی کا سکہ تمام دلوں پر بٹھا دیا ہو، سیادت و شرف کا یہ معیار خود حضرت یحییٰ علیہ السلام اس کے زندہ ثبوت تھے۔ ان کی زندگی گناہوں کی آلودگیوں سے اس قدر پاکیزہ تھی کہ تمام ماحول پاکیزگی و معصومیت کے اس مجسمے کو دل سے اپنا امام و قائد کہتا تھا۔ جنید کہتے تھے کہ سیادت کا اصل حق اس کو ہے جس نے کائنات کو چھوڑ کر خالق کائنات کو اپنا مطلوب بنایا اور حضرت یحییٰ اس امتیاز میں منفرد ہیں کہ دنیا سے ہاتھ جھاڑ کر اپنی تمام توجہات خدائے کائنات ہی کی جانب انھوں نے لگا رکھی تھیں اور یہ بھی خدا تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خصوصیت ذکر فرمادی کہ وہ "حصور" ہوں گے یعنی باوجود قوت مردانگی کے عورت سے ہمبستری کا تعلق نہیں رکھیں گے یہ لفظ "حصر نفسہ" سے استعمال ہوتا ہے جس کے معنی شہوات سے خود کو روکنا ہیں، اور یہ بھی کہ یحییٰ انبیاء صالحین میں سے ہوں گے۔ نسلاً تو معلوم ہے کہ حضرت یحییٰ ان انبیاء کی نسل سے ہیں جو زمانۂ دراز سے نبوت کے جلیل القدر منصب پر فائز رہے اور نبوت پر صالحین میں سے ہونے کا شرف مزید ان کو حاصل ہوا۔

بیٹے کی اس بشارت پر اس یقین کے باوجود کہ خدا تعالیٰ اپنی بے پناہ قدرت سے جو چاہے کردیں لیکن اپنی ان مجبوریوں کے پیش نظر جو حضرت زکریا علیہ السلام کی نظر میں تھیں، حضرت زکریا ؑ نے عرض کیا کہ اے پروردگار میرے یہاں بچہ کیسے پیدا ہوگا حالانکہ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں، مفسرین نے لکھا ہے کہ خود اس وقت حضرت زکریا ؑ کی عمر ننانوے ۹۹ سال کے قریب تھی اور حضرت کی اہلیہ کی عمر نوے ۹۰ کے قریب تھی۔ عمر کا یہ وہ مرحلہ تھا جس میں عادتاً انسان کے یہاں بچے نہیں ہوتے۔ اسی لئے حضرت زکریا دریافت فرمارہے تھے کہ اس یقین کے باوجود کہ آپ کی بشارت کے مطابق بچہ تو ضرور ہوگا لیکن ان مایوس کن حالات میں پیدائش کی صورت کیا ہوگی؟ گویا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا یہ سوال، معاذ اللہ خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر شک نہیں بلکہ بے پناہ قدرت کے یقین و جزم کے ساتھ اس کیفیت کا سوال مقصود ہے جس کیفیات پر اب بچہ کی پیدائش ان کے یہاں ہوگی۔ حضرت زکریا ؑ نے اپنے حالات کے ذیل میں جہاں اپنا بوڑھا ہونا ذکر فرمایا تھا وہیں اپنی بی بی کے متعلق یہ بھی عرض کیا کہ میری گھر والی تو بالکل ہی بانجھ ہیں۔

فرشتہ نے حضرت کے اس سوال پر عرض کیا کہ آپ میں کوئی تغیر نہیں کیا جائیگا نہ آپ کی بیوی میں، بلکہ خدا تعالیٰ اپنی قدرت کا مکمل مظاہرہ فرماتے ہوئے انھیں حالات میں آپ کے یہاں بچہ پیدا فرمادیں گے۔ اے زکریا ؑ آپ جانتے ہی ہیں کہ خدا تعالیٰ اس طرح کے عجیب و غریب مظاہرۂ قدرت پر ہر طرح قادر ہیں وہ جو ارادہ کرتے ہیں ان کو پورا کرنے میں کوئی مانع ہو ہی نہیں سکتا حضرت زکریا علیہ السلام نے اس پر بے اختیار خدا تعالیٰ سے عرض کی کہ حضرت میرے لئے کوئی نشان بطور علامت مقرر فرمادیجئے تاکہ

جن دنوں استقرارِ حمل کی نعمت سے میں سرفراز کیا جاؤں تو آپ کے اس عظیم ترین انعام کے وقت میں دل وجان جسم کے ایک ایک عضو سے مصروفِ شکر ہوں۔ ارشاد ہوا کہ استقرارِ حمل جب آپ کے یہاں ہوگا تو آپ تین دن گفتگو نہ کرسکیں گے بس یہی علامت ہے اسی سے پہچان لینا کہ وہ وقت آگیا جس کے آپ منتظر تھے یعنی حمل آپ کی بیوی کو ٹھہر گیا۔

آپ ان دنوں میں اگر گفتگو بھی کریں گے تو اشارہ سے ہی کرسکیں گے۔ رمز کے لغوی معنی حرکت کے ہیں چنانچہ عربی میں کہتے ہیں کہ "ارتمز" جب کوئی حرکت کرے گویا کہ رمز کا استثنا رکیا عام طور پر "اشارہ" کو کلام نہیں کہا جاتا اگرچہ متکلم کے اشارات سے فی الجملہ مخاطب کچھ نہ کچھ سمجھ ہی لیتا ہے۔

اس لطیفہ پر بھی توجہ کیجیے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی جو زبان بندکی گئی تھی وہ صرف انسانوں سے گفتگو کرنے کی حد تک تاکہ دنیا کو معلوم ہوجائے کہ یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ حضرت زکریا برابر ذکر اللہ کرتے رہے لیکن عام گفتگو سے ان کی زبان بند ہوگئی۔ اسی لئے ان سے بعد میں کہا گیا کہ آپ صبح وشام خدا تعالٰے کی تسبیح کرتے رہیئے۔ خدا تعالٰے کی قدرت کاملہ کا ظہور کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے چاہا کہ اللہ تعالٰی کی اتنی بڑی نعمت یعنی مایوسی کے عالم میں اولاد پر، دل وجان سے شکر کروں تو فوراً اس کی ایک صورت تجویز فرما دی وہ یہ کہ لوگوں سے گفتگو نہ ہو سکے اور ذکر وشکر کے لئے تمام اوقات خالی ہو جائیں۔ خدا تعالٰی کا علم وحکمت کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے سوال کے مطابق کیسی بہترین صورت تجویز فرمائی تعالٰی شانہ وعز کلامہ عربی زبان میں "عشی" زوال سے غروب تک اور "ابکار" طلوعِ فجر سے چاشت تک کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

لہ سیدہ مریم اپنے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کی زیرِ کفالت وقت گذار رہی ہیں جیسا کہ قرآن مجید نے ارشاد فرمایا حضرت مریم کی والدہ ماجدہ کی مخلصانہ دعاؤں کا یہ نتیجہ تھا کہ مریم کا نشو ونما بڑے اچھے انداز میں ہوا جسمانی اعتبار سے بھی اور روحانی لحاظ سے بھی۔ قرطبی، قاضی بیضاوی اور اندلسی نے ان دونوں اعتبار سے سیدہ مریم کے نشوونما کا اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے۔ مریم کو حضرت زکریا علیہ السلام کی خصوصی عنایت کی وجہ سے بیت المقدس ہی کے زوایا میں سے ایک زاویہ مل گیا تھا جس میں وہ پوری یکسوئی کے ساتھ عبادت میں اپنا وقت گذارتی تھیں حضرت زکریا بیت المقدس میں امیرانہ حیثیت کے اعتبار سے تمام ہی معتکفین کے مخصوص کمروں میں آمد ورفت اپنے فرائض منصبی سے جانتے اور پھر مریم علیہا السلام سے تو خصوصی قرابت اور ان کی کفالت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے ان کے حجرہ میں بکثرت آنا جانا اور بھی ضروری تھا۔

قرآن مجید کی بلاغت کی داد کون دے سکتا ہے ایک لفظ "کلما" سے حضرت زکریا ع کی بکثرت آمد ورفت اور ہمیشہ سیدہ مریم ع کے پاس پھلوں کی بہتات کا حیرت زا منظر سب ہی پر توجہ دلادی۔ علامہ اندلسی نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر بحر المحیط میں اسی نکتہ کی جانب توجہ دلاتے ہوئے لکھا ہے کہ وکلما تقتضی التکرار فیدل علی کثرۃ تعھدہ وتفقدہ لاحوالھا ودلت الآیۃ علی وجود الرزق عندھا کل وقت یدخل علیھا۔ رزق کا ترجمہ کھانے پینے کی چیزیں، پھل پھلواری۔ بعض جدت طراز طبائع جو قرآن مجید کو اپنے ذہن کی خرادپر اتار ناہی تفسیر سمجھتے ہیں "رزق" کی تفسیر فیض اور علم وحکمت سے کر رہے ہیں لیکن محقق مفسرین نے اس تفسیر کو قطعاً غلط قرار دیا ہے چنانچہ بحر المحیط میں ہے کہ ابعد من فسر ھھنا الرزق بالفیض سیدہ مریم کے پاس یہ کھانے پینے کے تمام سامان ـــــــــ

ہمارے عام مفسرین نے اس سلسلہ میں عجیب وغریب واقعات بیان کرکے صورت حال میں حیرت واستعجاب پیدا کرنا ضروری سمجھا حالانکہ یہ بات کہ غیر موسمی پھل مریم کے پاس بلائے جاتے نہ اس کی تفصیل قرآن مجید نے ذکر کی اور نہ ہی حدیث میں کوئی اس طرح کی بات محض اس طرح کی اسرائیلات کی مدد پر یہ سب کچھ قصے، تفاسیر میں نقل ہونے لگے، ہوسکتا ہے کہ سیدہ مریم کی نیکی، نیک چلنی (باقی برصفحہ)

(بقیہ حاشیہ صہ ۴۳) ہمہ اوقات مصروف عبادت و ریاضت کی جمیل کیفیتوں کو دیکھکر عوام اپنی عقیدت و محبت سے کھانے پینے کی چیزیں ہدیہ کے طور پر دے جاتے ہوں ایک مومنہ قانتہ اس طرح آنے والی چیزوں کو ظاہر ہے منجانب اللہ ہی سمجھیگی اور سمجھائیگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ چیزیں انسانوں کے واسطہ کے بغیر حضرت مریم تک پہونچانے کا اہتمام فرمایا ہو کیونکہ سیدہ مریم امت کے اتفاق کے مطابق نبی نہیں ہیں۔ اس لئے ان معاملات کو ان کی کرامت قرار دیا جائے گا ظاہر ہے کہ ان کی ولایت میں تو کوئی شبہ ہے ہی نہیں اس بات میں شیعہ بھی اہل سنت کے ہم خیال ہیں صرف معتزلہ جو کہ کرامات کے منکر ہیں اس واقعہ کا بھی انکار کرتے ہیں۔

روح المعانی میں ہے کہ واستدل بالآیۃ علی جواز الکرامۃ للاولیاء لان مریم لا نبوۃ لہا وھذا ھو الذی ذھب الیہ اھل السنۃ والشیعۃ وقالت فی ذلک المعتزلۃ قدرت الٰہی کے اس تازہ مشاہدہ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے قلب مبارک میں اس تمنا کو از سر نو بیدار کر دیا جو ایک انسان کی قلبی خواہش اور اس کی بہترین تمنا ہے یعنی اولاد کی خواہش، جانشین کی تمنا، نیک نہاد قائم مقام کی آرزو۔ خود حضرت زکریا کے بیان کے مطابق ان کی عمر الخطاط کے مراحل سے گذر رہی تھی اور بیوی صاحبہ تو حضرت زکریاء ہی کے ارشاد کے مطابق قطعاً بانجھ ہی تھیں لیکن حضرت مریم کے امور خارقہ کو دیکھکر اور ان کے مومنانہ جواب کو سن کر حضرت کی زبان مبارک پر بچہ کی تمنا آگئی لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام اولاد کی تمنا و دعا کرتے ہیں تو "ذریت صالحہ" کی شرط ضرور ذکر کر دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کی تمنا ہو سکتی ہے لیکن یہ بھی انبیاء کی سنت ہے کہ انسان صالح اولاد کی دعا و درخواست کرے۔ ان حضرات کی دعاء بھی خدا تعالیٰ فوراً قبول فرماتا ہے۔ خود ان میں قبولیت دعا کی تمام شرائط اور ساتھ ہی خدا تعالیٰ کی کامل رحمتیں ان کی پذیرائی کے لئے متوجہ پھر دیر ہو تو کیوں ہو؟ چنانچہ وہیں کھڑے کھڑے حضرت کو بشارت بھی سنا دی گئی۔ ایک طرف حضرت کو خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا مکمل یقین جس کی بناء پر دعاء کی لیکن دوسری جانب اپنے اور گھر کے مایوس کن حالات تو حضرت نے سوال بھی کر لیا کہ ان حالات میں بچہ کیسے پیدا ہوگا۔ حضرت زکریاؑ کے ان الفاظ سے یہ سمجھنا کہ معاذ اللہ آپ کو خدا تعالیٰ کی قدرت میں شبہ تھا اس لئے یہ سوال کیا۔ بڑی جسارت ہے اگر خدا نخواستہ اس طرح کی کوئی بات ہوتی تو ظاہر ہے کہ حضرت زکریا دعاء ہی کیوں کرتے۔ حضرت زکریا کے اس سوال کا مقصد صرف اطمینان قلب ہے جو کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی مطلوب ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ حضرت کے سوال کا مقصد یہ ہو کہ کیا مجھ کو اسی حالت میں رکھکر میرے یہاں بچہ پیدا کیا جائے گا یا مجھ کو از سر نو، نوجوان کر کے ان کیفیتوں کی جانب لوٹایا جائے گا جو عادتاً بچہ کی پیدائش اور افزائش نسل کے لئے ضروری ہیں۔

بہر حال سوال سے مقصد خدا تعالیٰ کی قدرت پر شبہ ہرگز نہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس نومولود کا اسم گرامی بھی خود ہی تجویز فرما دیا یعنی یحیٰی حیات سے ماخوذ ہے۔ خاکسار مترجم کے قلب میں اس نام کی معنوی مناسبت کے پیش نظر ہمیشہ یہ خیال ہوتا ہے کہ سیدنا یحیٰی علیہ السلام کی زندگی تو اس خاک دان ارضی میں بہت مختصر ہوئی چنانچہ وہ بدبخت یہودیوں کے ہاتھ مختصر ہی عمر میں شہید کر دیئے گئے مدت کے بعد خود ہی قلب میں یہ بات پیدا ہوئی کہ حضرت کی شہادت درحقیقت آپ کی ابدی زندگی کی ضامن ہے جیسا کہ شہداء کی حیات جاودانی کا خود قرآن مجید ہی میں اعلان کیا گیا ہے، پھر بحمد اللہ بعینہ یہ توجیہ فیض الباری امالی بخاری سیدنا الامام مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ میں مل گئی فالحمد للہ علی ذٰلک۔ قرآن مجید نے اس موقع پر حضرت یحیٰی علیہ السلام کے چند اوصاف بھی ذکر کئے ہیں جن سے حضرتؑ کی حیات پاک کے بعض اہم گوشوں کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ سب سے پہلے ارشاد ہوا کہ حضرت یحیی علیہ السلام کلمۃ اللہ کی تصدیق کریں گے۔ اس کا مطلب عام طور پر مفسرین یہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت یحیٰی علیہ السلام نے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کیا اور یہی کلمۃ اللہ کی تصدیق تھی کیونکہ قرآن مجید عموماً عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہہ کر یاد کرتا ہے چنانچہ المنار میں لکھا ہے کہ روایتی بر (صہ ۴۵)

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى

اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جبکہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریمؑ بلاشک اللہ تعالیٰ نے تم کو منتخب (یعنی مقبول) فرمایا ہے اور پاک بنایا ہے اور تمام جہاں بھر کی بیبیوں

نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝

کے مقابلہ میں منتخب فرمایا ہے اے مریم اطاعت کرتی رہو اپنے پروردگار کی اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کیا کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ

یہ قصے منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں ہم ان کی وحی بھیجتے ہیں آپ کے پاس اور آپ ان لوگوں کے پاس نہ تو اس وقت موجود تھے جبکہ وہ (قرعہ کے طور پر)

اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ

اپنے اپنے قلموں کو (پانی میں) ڈالتے تھے کہ ان سب میں کون شخص حضرت مریمؑ کی کفالت کرے اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت موجود تھے جبکہ باہم اختلاف کر رہے تھے (اس وقت کو یاد کرو) جبکہ

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا

فرشتوں نے (یہ بھی) کہا کہ اے مریمؑ بیشک اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہو گا اس کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰؑ بن مریم ہو گا با آبرو ہوں گے

(بقیہ حاشیہ صفحہ) اما تصدیقہٗ بکلمۃ من اللہ فھو تصدیقہٗ بعیسی الذی یبشراللہ بکلمۃ منہ اور لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن مجید کلمۃ اللہ اس لئے کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ تمام انسانوں کی معتاد پیدائش کے خلاف محض کلمہ کن سے پیدا ہوئے لیکن خاکسار مترجم عرض کرتا ہے کہ کلمۃ اللہ سے بالیقین حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی مراد ہیں لیکن میرا ذوق کہتا ہے کہ تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام اپنی انوکھی پیدائش کے اعتبار سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی حیرت زا ولادت کی تصدیق کریں گے یعنی دنیا کو اگر عیسیٰ علیہ السلام کی حیرت انگیز ولادت پر شبہ ہے اور شبہ کی بنیاد صرف اتنی ہے کہ وہ بغیر باپ کے کس طرح پیدا ہو گئے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت پر بھی تو تعجب کرنا چاہیئے کہ وہ مایوس کن حالات میں کس طرح وجود پذیر ہوئے۔ ان کے والد محترم کے بیان کے مطابق ان کی والدہ بانجھ اور وہ خود از کار رفتہ تھے پھر قادر علی الاطلاق نے اگر یحییٰ علیہ السلام کو ایسے احوال میں وجود بخشا کیا وہ عیسیٰ کو بغیر باپ کے نہیں پیدا کر سکتا۔ خاکسار کی نظر میں تصدیق کا یہی مطلب ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو "من اللہ" اور اگر غلط ہے تو "منی ومن الشیطان" دوسرا وصف جو قرآن مجید نے حضرت کیلئے اختیار کیا وہ "حصور" ہے جس کے معنی ہیں لذات وشہوات پر مکمل قادر اور وہ شخص جس کو باوجود قدرت کے عورت کی جانب توجہ نہ ہو۔ اس لفظ کی تشریح کے تحت عام مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت یحییٰ نے شادی نہیں کی اور یہیں سے یہ مسئلہ بھی چھیڑ دیا کہ آیا نکاح افضل ہے یا تبتل؟ یعنی شادی کے بغیر رہنا، اور حیرت ہے کہ مفسرین میں سے بعض اشخاص کی رائے یہ ہوئی کہ نکاح کے مقابلہ میں تبتل بہتر ہے معاذ اللہ ان لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ حضرت یحییٰؑ کے مقابلہ میں خود ان کے والد، ابراہیمؑ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بمراحل افضل ہیں اور ان سب حضرات نے شادیاں کیں بلکہ متعدد کیں۔ حضرت زکریا نے خدا تعالیٰ سے شدت شوق میں یہ بھی دریافت کر لیا کہ جن ایام میں میرے یہاں استقرار حمل ہو کوئی علامت ایسی ہونی چاہیئے جس سے مجھ کو بھی معلوم ہو جائے تاکہ میں مکمل کچھ دن آپ کی اس عظیم نعمت کے شکریہ میں صرف کروں، علامت یہ تھی کہ تین دن بول نہ سکیں گے۔ تورات وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدانخواستہ یہ کوئی بیماری تھی۔ قرآن مجید نے حسب دستور تورات کی غلط بیانی کی یہاں تصحیح کر دی ہے۔

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۝ وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَکَهْلًا وَّ

دنیا میں اور آخرت میں اور منجملہ مقربین کے ہوں گے اور آدمیوں سے کلام کریں گے گہوارہ میں اور بڑی عمر میں اور شائستہ

مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکِ

لوگوں میں سے ہوں گے (حضرت مریم علیہا السلام) بولیں اے میرے پروردگار کس طرح ہوگا میرے بچہ حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ وَیُعَلِّمُهُ

کہ ویسے ہی (بلا مرد کے) ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہیں پیدا کردیتے ہیں جب کسی چیز کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو اسکو کہدیتے ہیں کہ ہوجا بس وہ چیز ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ انکو

الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝ وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ اَنِّیْ

تعلیم فرمادیں گے (آسمانی) کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور (بالخصوص) توریت اور انجیل اور اُن کو (تمام) بنی اسرائیل کی طرف بھیجیں گے (پیغمبر بناکر) کہ میں

قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ

تم لوگوں کے پاس (اپنی نبوت پر) کافی دلیل لیکر آیا ہوں وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کیلئے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے پھر اس کے

فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ

اندر پھونک مار دیتا ہوں جس سے وہ (جاندار) پرندہ بن جاتا ہے خدا کے حکم سے اور میں اچھا کردیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص (جذام) کے بیمار کو اور زندہ کردیتا ہوں

اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ

مردوں کو خدا کے حکم سے۔ اور میں تم کو بتلا دیتا ہوں جو کچھ اپنے گھروں میں کھا کر آتے ہو اور جو رکھ آتے ہو بلاشبہ ان میں (میری نبوت کی) کافی دلیل ہے تم

اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ

لوگوں کیلئے اگر تم ایمان لانا چاہو اور میں اس طور پر آیا ہوں کہ تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے تھی یعنی توراۃ کی اور اسلئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے

لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ وَجِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

واسطے بعضی ایسی چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کردی گئی تھیں اور میں تمہارے پاس دلیل (نبوت) لیکر آیا ہوں حاصل یہ کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا

اَطِیْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝

کہنا مانو بے شک اللہ تعالیٰ میرے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی رب ہیں سو تم لوگ اس کی عبادت کرو۔ بس یہ ہے راہ راست

فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْکُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ

سو جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے انکار دیکھا تو آپ نے فرمایا کوئی ایسے آدمی بھی ہیں جو میرے مددگار ہوجاویں اللہ کے واسطے حواریین بولے

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ رَبَّنَآ

کہ ہم ہیں مددگار اللہ کے دین کے ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ اس کے گواہ رہیئے کہ ہم فرماں بردار ہیں اے ہمارے رب

اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

ہم ایمان لے آئے اُن چیزوں (یعنی احکام) پر جو آپ نے نازل فرمائیں اور پیروی اختیار کی ہم نے (ان) رسول کی سو ہم کو ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرتے ہیں

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ تعالیٰ سب تدبیریں کرنے والوں سے اچھے ہیں

اور وہ وقت یاد کرو جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم بیشک اللہ نے آپ کو منتخب کیا ہے اور پاک کر دیا ہے اور آپ کو دنیا جہان کی بیویوں کے مقابلہ میں برگزیدہ کر لیا ہے اے مریم اپنے پروردگار کی اطاعت کرتی رہ اور سجدہ کرتی رہ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہ یہ واقعات غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم آپ کے اوپر اُن کی وحی کر رہے ہیں اور آپ تو اُن لوگوں کے پاس تھے نہیں اس وقت جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ اُن میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے اور نہ آپ اُن کے پاس اُس وقت تھے جب وہ باہم اختلاف کر رہے تھے وہ وقت یاد کرو جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم اللہ آپ کو خوش خبری دے رہا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی اُن کا نام و لقب عیسیٰ مسیح ابن مریم ہوگا دنیا و آخرت دونوں میں معزز اور مقربوں میں سے ہوں گے اور وہ لوگوں سے گفتگو کریں گے گہوارہ میں بھی اور پختہ عمر میں بھی اور صالحین میں سے ہوں گے۔ وہ بولیں اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا درانحالیکہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا ہے ارشاد ہوا ایسے ہی اللہ پیدا کرتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے جب وہ کسی بات کو پورا کرنا چاہتا ہے تو بس اُس سے کہتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے اور اللہ اُسے کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل سکھا دیگا اور وہ پیغمبر ہوگا بنی اسرائیل کے لئے اور کہیگا کہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، میں تمہارے لئے مٹی سے پرندوں کی مانند صورت بنا دیتا ہوں پھر اس میں دم کرتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور مبروص کو اچھا کر دیتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور تم جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ جمع کرتے ہو وہ تمہیں بتلا دیتا ہوں بیشک ان سارے واقعات میں تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے پیشتر آئی ہوئی توریت کی اور اس لئے آیا ہوں کہ تم پر جو کچھ حرام کر دیا گیا تھا اس میں سے کچھ تم پر حلال کر دوں اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشانی لے کر آیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو بیشک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے سو اُس کی عبادت کرو یہی میری راہ ہے۔ پھر جب عیسیٰ نے اُن کی طرف سے انکار ہی پایا تو بولے میرا کون مددگار ہوگا اللہ کے لئے حواری بولے ہم ہیں اللہ کے مددگار ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور آپ گواہ رہئے گا کہ ہم فرماں بردار ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے اس پر جو کچھ تو نے نازل کیا ہے اور ہم نے پیروی

اختیار کرلی رسول کی سو ہم کو بھی گواہوں کے ساتھ لکھ لے اور انھوں نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے ۔

کلمۃ اللہ کا ظہور، سیدہ مریم کو بعض احکام، یہودیوں کی شرارت اور ان کا قدرتی توڑ

یہ اس واقعہ کا ذکر ہے جبکہ فرشتوں نے سیدہ مریم سے مشافہۃً گفتگو کی، فرشتوں نے کہا کہ مریم خدا تعالیٰ نے تم کو نذر کے طور پر قبول فرما کر اور تمہاری خاص طور پر تربیت اور تم سے بعض عجیب کرامتوں کا ظہور کر کے درحقیقت تم کو ایک اہم کلمۃ اللہ کے ظہور کا ذریعہ بنایا ہے، یہی وجہ ہے کہ اخلاقی اور روحانی آلودگیوں سے تم کو پاک و صاف رکھا اور دنیا بھر کی عورتوں پر اس حیثیت سے تم کو امتیاز دیا گیا کہ ان کے یہاں بغیر شوہر کے اولاد کی پیدائش ممکن نہیں جب کہ تمہارے بطن سے شوہر کے بغیر ایک جیتا جاگتا، مبارک نومولود پیدا کیا ۔ ہماری ان اہم نعمتوں کا تقاضہ ہے کہ مریم تم سراپا عبادت بن جاؤ، تمہاری نمازیں جو ہم کو تمام عبادات میں بہت محبوب ہیں قدرے طویل اور ذوق و شوق کے ساتھ ادا ہونی چاہئیں اور نماز کے دو اہم رکن یعنی سجدہ و رکوع پوری طرح ادا کرو بلکہ تم کو نماز با جماعت ادا کرنی چاہیئے اور تم نماز کی ادائگی میں کچھ اس طرح منہمک رہو کہ دنیا تم کو صحیح نماز ادا کرنے والی کہہ کر پکارے ایسا نہ ہو کہ تمہارا شمار ان میں ہو جو کہ نماز کا اہتمام نہیں کرتے ۔

اے محمدؐ یہ تمام واقعات جو اب تک آپ کو سنائے گئے یعنی حنہ کا واقعہ، زکریاؑ کا قصہ، یحییٰؑ اور مریم کے تذکرے یہ سب غیب کی باتیں ہیں جو آپ کو بتائی گئیں، غیب کی ان سچی اور صحیح داستانوں پر آپؐ کے واسطے سے دنیا کی واقفیت خود آپؐ کی نبوت کی ایک علامت ہے کیونکہ ان قصوں پر وحی کے بغیر اطلاع ممکن نہیں اور کسی شخص پر وحی کا آنا ممکن نہیں تاوقتیکہ وہ نبی نہ ہو۔ ان واقعات کے غیب سے گہرے تعلق کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ اس وقت خاص اس موقعہ پر ہرگز موجود نہیں تھے جبکہ وہ حضرات جو مریم کی تربیت و کفالت کے بارہ میں اختلاف کر رہے تھے اور پھر قدرت کے فیصلہ کے لئے انھوں نے قرعہ اندازی کو قبول کر لیا تھا اور اس منصوبہ کو بروئے کار لانے کے لئے سب دریا کے کنارے جمع ہو کر اپنے اپنے قلم ڈال رہے تھے (جیسا کہ اس واقعہ کی تفصیلات ابھی کچھ پہلے ہم نے آپ کو سنائیں)

اب ذرا آپ ان لوگوں کو اس غیب سے متعلق ایک اور داستان پارینہ کے چند اوراق سنائیے کہ جب مریم سے فرشتوں نے کہا کہ اے مریم خدا تعالیٰ تم کو ایک "کلمہ" کی بشارت دیتے ہیں جن کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ یہ مسیح ایسے ہی معزز القاب میں سے ہے جیسا کہ صدیق اور فاروق وغیرہ عبرانی لفظ ہے اور اصل میں مشیحا" استعمال ہوتا ہے اس کے معنی مبارک کے آتے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ایک موقع پر خود عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ایسے ہی ادا کرایا گیا وجعلنی مبارکاً اینما کنت بعض مفسرین کی رائے میں یہ عربی لفظ ہے جس کے معنی پھیرنے اور چھونے کے آتے ہیں حضرت عیسیٰ کو مسیح اس لئے کہا گیا کہ وہ جس مصیبت زدہ لاعلاج مریض پر اپنا دست مبارک پھیر دیتے تو وہ اچھا ہو جاتا۔

اور بعض علماء کی رائے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کثرتِ سیاحت اس نام کی وجہ ہے ۔

عیسیٰ کو ہم نے ابن مریم کہا اس سے مریم تم سمجھ لو کہ وہ بچہ تمہارے یہاں شوہر کے بغیر پیدا ہوگا اور اسی لئے اس کی کنیت صرف تمہاری طرف ہوگی - مریم تمہارا یہ بچہ دین اور دنیا میں بڑا معزز ہوگا دنیا میں ان کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہوگا کہ یہ خدا تعالیٰ کے جلیل القدر نبی ہوں گے اور آخرت میں ان کا اکرام ہم اس طرح کریں گے کہ ان کی شفاعت گنہ گاروں کے حق میں قبول ہوگی

اور ان کے ذاتی درجات و مراتب میں اضافہ ہوگا۔ بلکہ مریم یہ بچہ دنیا سے آسمان پر اٹھا لیا جائے گا اور اس لیے یہ خصوصی مقربین میں سے ہو گا اس سے بچپن ہی میں بعض حیرت انگیز معجزات صادر ہوں گے مثلاً ابھی گہوارہ ہی میں یہ ہوں گے تو تمہاری براءت کے بارہ میں لوگوں کو ایک بیان دیں گے اور اسی طرح زمانۂ شباب کے بعد بھی یہ عوام سے گفتگو فرمائیں گے، بچپن اور انحطاط عمر کا دور اُن کیلئے یکساں ہوگا یہ عہد طفولیت میں بھی اسی طرح نبوت کے منصب کے شایان شان کلام فرمائیں گے جیسا کہ آخری عمر میں حضرات انبیاء گفتگو فرماتے ہیں اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ یہ صالحین میں سے ہوں گے وہ "صلاح" جو انبیاء علیہم السلام میں بھی منتخب حضرات ہی کے حصہ میں آتا ہے۔

سیدہ مریم کی حیرت

ارشاد ہے کہ ہماری اس بشارت پر عالم انسانیت کی یہ ضعیف ترین عورت عرض پیرا ہوئی کہ اے حضرت حق جل مجدہٗ میں کسی بچہ کو کس طرح جنم دے سکتی ہوں حالانکہ کسی انسان نے ہمبستری تو درکنار آج تک مجھ کو چھوا تک نہیں، ارشاد ہوا کہ شوہر کے اختلاط کے بغیر ہی آپ کے یہاں بچہ پیدا ہوگا، مریم تمہارا خدا بڑا قادر ہے وہ جب کسی چیز کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کو اس کے مناسب اسباب بھی اختیار کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ تو صرف اتنا ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ چیز "فوراً" ہو جاتی ہے تو ایسے مقتدر، قادر، قدیر کیلئے ایک عورت کے بطن سے کسی شخص کے اختلاط کے بغیر بچہ پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں ہے بلکہ اے مریم تمہارے اس بچہ کو ہم کتاب کی تعلیم دیں گے اور کتاب ہی نہیں بلکہ ایسے حقائق کا چشمہ ان کی زبان مبارک سے پھوٹے گا (حکمت) جس پر دنیا حیرت زدہ ہوگی، چیزوں کی حرمت و حلت جو آج دنیا میں یکسر ختم ہو گئی اس کے حدود اسی نومولود کی زبان سے واضح کرا دیئے جائیں گے، ان کو سابقہ آسمانی کتاب تورات کے علوم پر کامل عبور عنایت ہوگا اور خود ان پر ایک مستقل کتاب (انجیل) کے نام سے نازل کی جائے گی اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل میں رسالت و نبوت کے عہدہ جلیلہ کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ یہ بنو اسرائیل کو اطلاع دیں گے کہ میں خدا تعالیٰ کی جانب سے تمہاری جانب نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، میرے پاس اپنی نبوت پر دلائل بھی ہیں مثلاً مٹی سے میں پرندہ بنا سکتا ہوں پہلے پرندہ کی شکل میں اس کو ڈھال دوں پھر اس میں پھونک لگاؤں تو واقعی پرندہ ہو جائے گا اور تمہارے سامنے فضا میں اس طرح پرواز کرے گا جیسا کہ پرندے آسمان کی بلندیوں میں تیرتے نظر آتے ہیں لیکن یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کے حکم سے ہو گا۔

میں اس بچہ کو بھی بینا کر سکتا ہوں جو مادر زاد اندھا تھا، اس کوڑھ میں مبتلا بیمار کو بھی اچھا کر سکتا ہوں جس کو یونانی طب کے شفا بخش نسخے بھی اچھا نہ کر سکے ہوں بلکہ میری پھونک سے وہ تن مردہ بھی اُٹھ کر بیٹھ سکتا ہے جس کی روح پرواز کر چکی ہو، لیکن یہ سب باتیں معجزے ہوں گی اور جو محض خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرے ہاتھ پر ظاہر ہو سکتے ہیں۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے اس تمام بیان میں دیکھ جائیے کہ اپنے تمام حیرت انگیز معجزات کے ساتھ "باذن اللہ" کا اعلان کس اہتمام سے فرما رہے ہیں محض یہی بتانے کے لئے کہ یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کی قدرت سے ہو گا ورنہ ظاہر ہے کہ میں تو تمہاری طرح ایک بندہ ہوں لیکن حیرت ہے کہ آپ کے اس تمام اہتمام اور اظہار عبدیت کے باوجود آپ کے علی الرغم عیسائیوں نے آپ کو خدا بنا لیا والعیاذ باللہ۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے سام کو اس کی قبر سے زندہ کر کے نکال لیا لیکن آپ کے مخالف پھر بھی آپ کی نبوت اور رسالت کے قائل نہ ہوئے بلکہ بولے کہ واہ یہ تو بالکل جادو ہے ہم اس کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے تم کوئی اور معجزہ دکھاؤ۔ اس پر حضرت نے ایک ایک کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم نے آج فلاں چیز کھائی ہے اور اے فلاں

تیرے پاس فلاں چیز ہے جس کو تو چھپاتا ہے، آپ کے انھیں معجزات اور غیب سے متعلق باتوں کے انکشاف کی طرف خدا تعالیٰ نے ان آیات میں توجہ دلائی ہے۔

ارشاد ہے کہ عیسیٰ نے ان سے یہ بھی کہا کہ میں تم کو بتاؤں گا جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم گھر میں رکھنے کا اہتمام کرتے ہو اور دیکھو یہ تمام معجزات میری نبوت کی تصدیق کرتے ہیں اگر تم کو ایمان حاصل ہے تو بلا شبہ تم بھی میری نبوت کی تصدیق کروگے اور میری بعثت کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ میں اپنے پہلے ایک جلیل القدر پیغمبر موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب تورات کی تصدیق کروں اور شریعت موسوی کی رو سے جو غذائیں تم پر حرام ہوگئی تھیں مثلاً چربی، اونٹ کا گوشت، مچھلی اور ناخن والے جانور، ان کو میری شریعت جائز اور حلال کردے چنانچہ موسوی قانون کی رو سے اکثر حرام اشیاء قانون عیسوی میں آکر حلال ہوگئیں۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے مجھ کو بہت سے معجزات عنایت فرمائے اس لئے تم کو میری تکذیب نہ کرنی چاہیئے تم کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، تمام باتوں میں میرے احکام کی اطاعت ضروری ہے اور یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی صرف اسی کی عبادت کرنا چاہیئے اور یہی سیدھا راستہ ہے، ان آیات میں کتنے واضح انداز میں حضرت عیسیٰ نے پھر اپنی عبدیت کا اعلان فرمایا ہے افسوس کہ نصاریٰ پھر بھی آپ کو خدا کہتے ہیں والعیاذ باللہ۔

یہودیوں کی ایک خوفناک سازش اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اقدام

ان تمام حقائق و واقعات کے اظہار پیہم کے باوجود یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر ایمان تو کیا لاتے الٹے آپ کی جان کے دشمن ہوگئے چنانچہ اسی سے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ اور جب عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کی جانب سے ایک خوفناک منصوبہ کا احساس کیا تو آپ نے دین کی حمایت کیلئے اپنے مخصوص لوگوں کی ایک جماعت کی تشکیل فرمانے کیلئے لوگوں سے دریافت کیا کہ بتاؤ تم میں سے کون ہے جو ہر طرح کے خطرات انگیز کرتا ہو! خدا تعالیٰ کے دین کی حفاظت کرے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سرفروشانہ جہاد میں اپنی جان تک کی اسے پرواہ نہ ہو، اس پر آپ کے مخصوص متعلقین (عربی زبان میں حواری الرجل استعمال ہوتا ہے جس کے معنی خاص لوگوں کے آتے ہیں) نے کہا کہ ہم انشاء اللہ دین کی مکمل حمایت و نصرت کریں گے۔ اور یہ بھی بولے کہ اے عیسیٰ ہم اللہ پر ایمان لے آئے اور آپ بھی گواہ رہیئے کہ ہم واقعی مسلمان ہیں۔ آیات میں پہلے خود کو مومن کہنا اور اس کے بعد مسلم کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان و اسلام مترادف الفاظ ہیں۔ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے ایمان پر اس لئے شاہد بنایا کہ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام اپنی امت کی طرف سے اُن کے ایمان و اسلام اور اخلاص کی شہادت دیں گے۔

پھر با خلاص تمام یہ بارگاہ خداوندی میں عرض پیرا ہوئے کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ان آسمانی صحیفوں پر عموماً اور جو آپ نے عیسیٰ علیہ السلام پر خصوصاً نازل کیا اور آپ کے پیغمبر برحق عیسیٰ کی ہم نے اتباع کی اے ہمارے رب آپ ہم کو شاہدین میں شمار کر لیجیئے ان انبیاء میں جو قیامت کے دن اپنی اُمتوں کی طرف سے شاہد ہوں گے۔ یا مراد شہداء سے یہ ہو کہ ان موحدین میں ہم کو بھی شریک کر لیجیئے جو آپ کی اُلوہیت کی شہادت دیتے ہیں۔

شہداء کی تفسیر میں ان دو اقوال کے ساتھ ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ ہم کو اُمت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں شریک کر لیجیئے۔ یہ تفسیر اس بناء پر کی گئی کہ امت محمدیہ تمام انسانوں کے حق میں گواہ ہوگی اور اس آیت میں "شہید" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے ذہن اس طرف بھی جاتا ہے کہ عجب نہیں کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مراد ہو

بہر حال بعض نصاریٰ نے تو اس فدائیت اور جاں نثاری کا اعلان کر کے دین کی نصرت کے پرزور وعدے کئے لیکن دوسری طرف یہود مسلسل اپنی سازشوں میں لگے ہوئے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف شدید قسم کی خفیہ ریشہ دوانیاں ان کی طرف سے متواتر ہو رہی تھیں وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح حضرت عیسیٰ کی جان لے لیں تاکہ یہ قصہ ختم ہو اور حق کی یہ صدا جو اُن کو نہایت ناگوار معلوم ہوتی تھی ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے لیکن مشہور ہے کہ "دشمن چہ کند چوں مہربان باشد دوست" اگر یہ ایک طرف اس طرح کے منصوبے باندھ رہے تھے تو دوسری جانب خدا تعالےٰ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کا ارادہ فرما رہا تھا چنانچہ جب ان ظالموں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جان لینے کے ارادہ سے ان کے گھر پر حملہ کیا اور ایک آدمی جو خاص طور پر آپ کو پکڑنے کے لئے اندر اترا خدا تعالیٰ نے اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی وہ بعینہٖ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی صورت ہو گیا حضرت بحفاظت تمام آسمان پر اٹھا لئے گئے اور یہی شخص عیسیٰ ہونے کے شبہ میں اپنے دوستوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

"شرح تاویلات" نامی کتاب میں لکھا ہے کہ "مکر" کا تعلق خدا تعالیٰ سے کرنا ٹھیک نہیں یعنی یوں کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے العیاذ باللہ مکر کیا مناسب نہ ہوگا کیونکہ ہم اور آپ کے نزدیک اس لفظ کے معنی ٹھیک نہیں بلکہ بُرے ہیں، جو الفاظ بُرے معنی رکھتے ہوں اُن کا خدا تعالیٰ کے لئے استعمال کیسے مناسب ہے؟ ہاں مکر کے معنی اگر یہ کر لئے جائیں کہ ان یہود نے عیسیٰ کے خلاف ایک سازش کی اور خدا تعالیٰ نے اس سازش کا بھرپور توڑ کیا گویا کہ لفظ "مکر" کو بدلہ یا جزا کے معنی میں لینا اور ان بُرے معنی میں نہ لینا جن میں عام طور پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں بلکہ استہزاء، خداع وغیرہ اس طرح کے تمام ان الفاظ میں جن کے معنی ہمارے عرف میں ذرا قبیح سمجھے جاتے ہیں جزاء اور بدلہ ہی کے معنے میں استعمال ہوں گے اگر خدا تعالیٰ خود اپنے لئے ان لفظوں کو استعمال فرما ہیں

آخر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ ہوا وہ جو خدا تعالیٰ نے عیسیٰ کے متعلق چاہا تھا یعنی وہ بالکل زندہ سلامت رہے اور ان کے مخالفین کو اپنے ارادوں میں زبردست ناکامی اٹھانا پڑی اور نتیجہ یہ ہونا بھی چاہیئے تھا اس لئے کہ خدا تعالیٰ بڑا زبردست ہے بڑی تدبیر والا ہے اس کی تدبیر کو کون ناکام کر سکتا ہے؟

سلہ ان آیات میں خانوادۂ نبوت پر جو کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعامات ہوتے رہے ان میں سے ایک خاص واقعہ کا ذکر فرما رہے ہیں ساتھ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیرت انگیز پیدائش ولادت کا بھی تذکرہ ہے، پہلے حضرت یحییٰ ع جن حالات میں پیدا ہو چکے تھے اس کا واقعہ سنایا گیا تھا اور بتایا گیا تھا کہ اس طرح کے خلاف عادت واقعات پر اپنے ایمان کی دولت لٹا دینا کوئی دانشمندی نہیں بلکہ حماقت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ اس طرح کے محیر العقول واقعات کو رونما کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے، آیات میں بتایا گیا کہ حضرت مریم سے فرشتوں نے گفتگو کی لیکن اس کے باوجود تمام امت متفق ہے کہ سیدہ مریم نبی نہیں تھیں۔ ابن حزم اندلسی نے اگرچہ مریم کو نبی کہا ہے لیکن یہ ان کا تفرد ہے نہ صرف یہ کہ امت کا ذمہ دار طبقہ ان کے ساتھ نہیں بلکہ پوری امت ان کے اس خیال و رائے کو صحیح نہیں مانتی۔ قرآن مجید نے ان آیات میں دو مرتبہ سیدہ مریم کے لئے اصطفاء کا لفظ اختیار کیا ہے مفسرین نے دونوں موقعوں پر اصطفاء کے معنی علیحدہ علیحدہ بتلائے ہیں۔ لکھا ہے کہ سیدہ مریم کا پہلا انتخاب (اصطفاء) تو یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو بیت المقدس کیلئے قبول فرمایا تھا، کلیسا کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ بالکل پہلا واقعہ تھا کیونکہ آج تک کوئی عورت اس اہم خدمت کیلئے کبھی قبول نہیں کی گئی تھی جبتک کہ انتخاب میں مریم ہی سے تاریخ میں ایک نیا موڑ خود مریم کی فضیلت اور اہمیت کی ایک واضح علامت ہے۔ اور دوسرے اصطفاء سے سیدہ مریم کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ ہے کہ فرشتوں نے ان سے خطاب کیا اور ہدایت کے نور سے ان کے ظاہر (باقی بر صفحہ ۵۲)

(بقیہ حاشیہ صلا۵) وباطن کو خداتعالیٰ نے منور فرمادیا۔ تطہیر جس کا عمل مریم کے ساتھ اختیار کیا گیا مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ آپ کی حیض سے پاکی تھی اور حیض سے آپ کا پاک وصاف رہنا واقعہ یہ ہے کہ مسجد بیت المقدس کی خدمت کے لئے نہایت ضروری اور مناسب بھی تھا کیونکہ حائضہ عورت یا جنبی مرد مسجد میں نہیں جا سکتا۔ اس لئے خداتعالیٰ کی یہ بڑی زبردست حکمت تھی کہ سیدہ کو اس کمزوری اور ناپاکی سے محفوظ رکھا۔

سیوطی نے شرح جلالین میں یہ بھی لکھا ہے کہ مریم کی تطہیر جس کا اس موقع پر قرآن مجید میں ذکر آیا وہ آپ کا مرد کے اختلاط سے محفوظ رہنا تھا۔ بعض مفسرین نے تطہیر کا کوئی خاص پہلو متعین نہیں کیا بلکہ عام معنی مراد لیتے ہوئے تمام اخلاقی کمزوریوں اور ظاہری عیوب سے مریم کی مکمل نظافت مراد لی ہے۔

"نساء عالمین" سے مراد بالیقین حضرت مریم کے دور کی عورتیں ہیں جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ ارسطو اپنے دور کا سب سے بڑا فلسفی تھا اس سے بعد میں آنے والے عظیم فلاسفہ کی انفرادیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس توجیہ کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "فاطمہ بنت محمدؐ، مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد تمام عورتوں میں سب سے بہتر ہیں" آیات کے معارض نہیں بلکہ وہ احادیث جن سے سیدہ عائشہؓ یا سیدہ خدیجہؓ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی فضیلت معلوم ہوتی ہے سب کا مناسب اور موزوں محل و مصداق نکل آتا ہے۔ آیات میں سیدہ مریم کے سامنے ان کے بعض اہم ان امتیازات کا تذکرہ فرما کر جو ان کے لئے مخصوص کئے گئے تھے عبادت اور عبادات میں نماز کا خصوصی تذکرہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ہم سے پرزور مطالبہ ہے کہ ہم صرف اسی کی عبادت کریں۔ آگے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر ضمنی ایک دلیل بھی پیش فرمادی اور وہ یہ کہ ظاہر ہے کہ مریم کا یہ واقعہ آپ سے صدیوں قبل ایک دوسرے ملک میں پیش آیا آپ وہاں موجود تو کیا ہوتے اس وقت دنیا میں بھی تشریف نہ رکھتے تھے، تاریخ ان واقعات کی صحیح تفصیلات تو کیا بتا سکتی اصل واقعہ کے اہم اجزاء سے بھی آج تاریخ کے اوراق خالی ہیں اور پھر جو کچھ غلط اور صحیح آسمانی صحیفوں میں موجود ہے امی ہونے کی وجہ سے اس تک آپؐ کی رسائی بھی نہیں پھر یہ واقعات اور بلاکم وکاست سنانا آپ کی سچی نبوت کے ٹھوس دلائل ہیں۔

قرآن مجید کا ایک خاص دستور یہ ہے کہ وہ کسی واقعہ سے متعلق کسی کی مکمل لاعلمی ظاہر کرنے کیلئے اس واقعہ کا کوئی ایک اہم جزو بناتا ہے کہ آپؐ اس وقت یا اس موقعہ پر موجود نہیں تھے اس ایک موقعہ کے تذکرہ سے گویا کہ ثابت یہی کرنا ہوتا ہے کہ پورے واقعہ کے آپ چشم دید گواہ نہیں ہیں چنانچہ یہاں بھی واقعہ کا ایک خاص اور اہم جزو لے لیا گیا کہ اے محمدؐ آپ اس وقت موجود نہ تھے جبکہ مریم کی کفالت کے بارہ میں راہبوں میں اختلاف ہو رہا تھا اور پھر وہ سب ہمارا فیصلہ لینے کے لئے قرعہ اندازی پر تیار ہو گئے تھے اس لئے ماننا پڑے گا کہ ان واقعات کی صحت اور حقیقت تک رسائی سوائے وحی کے ذریعہ کے اور کسی طرح ممکن نہیں اور آپؐ پر وحی آتی ہے اور وحی نبوت بجز انبیاء علیہم السلام کے اور کسی پر نہیں آتی اس لئے ثابت ہوا کہ آپؐ نبی مرسل اور پیغمبر آخر الزماں ہیں۔ بعد میں سیدہ مریم کا مکمل واقعہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا تذکرہ ہے۔

سیدہ مریم کو بچہ کی بشارت دیتے ہوئے قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے "کلمہ" کا لفظ اختیار کیا یہی بتانے کیلئے کہ عیسیٰؑ کی ولادت عام طور پر نہیں بلکہ خداتعالیٰ کے ایک کلمہ "کن" سے ہوگی حالانکہ دنیا کی ہر چیز کلمہ تکوین ہی سے وجود میں آتی ہے لیکن اس دنیا میں تمام اشیاء کے بارہ میں سنت الٰہی یہ ہے کہ ان کا انتساب اسباب کی جانب ہوتا ہے اور اولاد کی ولادت و پیدائش میں قوی سبب ماں اور باپ کا اختلاط ہے اور کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں وہ موجود نہیں اس لئے (باقی بر صد ۵۳)

(باقی حاشیہ صـ۵۲) آپ کی ولادت کے ایک اور سبب یعنی کلمہ تکوین کی جانب آپ کی نسبت کی گئی۔ کلمہ تکوین سے مراد خدا تعالیٰ کی وہ مشیت ہے جو اشیاء کے وجود و عدم سے تعلق رکھتی ہے۔ المسیح کے اشتقاق میں اختلاف ہے لیکن قطع نظر اس کے کہ یہ عربی لفظ ہے یا عبرانی، اپنے معنی کے لحاظ سے "مبارک" کا ہم معنی ہے، انجیل اپنی املاء اور تلفظ میں ان کو "یسوع" کہتی ہے۔ یہود نے صدیوں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تحقیر و تذلیل، توہین اور اہانت کا کام انجام دیا لیکن یہ قرآن مجید کی برکت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابرکت شخصیت کے تمام پہلوؤں کو اُجاگر کیا، اُس نے بتایا کہ عیسیٰ دنیا اور آخرت میں صاحب اعزاز، مکرم اور معظم ہیں، آخرت میں تو ایک جلیل القدر پیغمبر ہونے کے اعتبار سے جو کچھ ان کی وجاہت عند اللہ ہوگی ہم اور آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے لیکن دنیا میں آپ کے اعزاز کے لئے یہی سند کافی ہے کہ آج دنیا میں موجود تقریباً ۶۰ کروڑ مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کو ایک اولوالعزم پیغمبر مانتے ہیں اور خود کروڑہا عیسائی تو ان کو عام انسانوں سے بلند ایک خدا ہی قرار دیتے ہیں اگرچہ ان کا یہ عقیدہ باطل، لغو اور قطعاً کفر ہے تاہم ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں ہے یہ غلو عقیدت و احترام کا ایک مظاہرہ۔ مہد میں کلام کی اطلاع، حضرت کے پیغمبر ہونے کی بشارت اور عالم کہولت میں گفتگو کی خوشخبری آپ کی زندگی کی بشارت ہے، کہلاً سے مراد عمر کی پختگی ہے یعنی طفولیت اور بڑھاپے کا درمیانی عرصہ۔ اہل لغت لکھتے ہیں کہ لفظ "کہل" کا اطلاق تیس سے لیکر پچاس برس تک کی عمر والے پر ہوتا ہے۔

روح المعانی میں ہے کہ الکھل مابین الشاب والشیخ حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ میں جس طرح کہ ہم لکھ آئے ہیں یہاں بھی سیدہ مریم کا یہ سوال کہ میرے بچہ کیسے پیدا ہوگا حالانکہ نہ میری شادی ہوئی اور نہ کسی مرد سے آج تک اختلاط کا موقعہ ہوا شک و شبہ کی بناء پر نہیں بلکہ واقعہ کے عجائب اور نئے پن کی وجہ سے سوال کر رہی ہیں۔ مریم کے سوال کے اس مقصد کو خدا تعالیٰ کا جواب خود متعین کر رہا ہے چنانچہ جو جواب ان کو دیا گیا کہ اے مریم تم نظر مسبب الاسباب پر رکھو اسباب پر نہیں۔ اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ مریم کے سوال کا مقصد کیا تھا؟ ابھی قصہ زکریا علیہ السلام میں چند آیات پہلے زکریا علیہ السلام ہی کے اس سوال پر کہ میرے یہاں بچہ کیسے پیدا ہوگا میں تو عمر سے اتر چکا ہوں اور بیوی قطعاً بانجھ ہے جواب میں کذلک یفعل اللہ مایشاء کے لفظ آئے تھے اور مریم کے بعینہٖ اسی سوال کے جواب میں یخلق مایشاء کا لفظ آیا۔ ایک جگہ "یفعل" اور دوسرے موقع پر "یخلق" اتفاق نہیں بلکہ قرآن مجید کا ایک اعجاز ہے، ابوحیان اندلسی نے اسی اہم نکتہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اپنی معرکۃ الآراء تفسیر بحر المحیط میں لکھا ہے کہ حضرت زکریا کے یہاں بچہ کی پیدائش معتاد طریقہ کے مطابق تھی یعنی شوہر و بیوی کا اختلاط اور اجتماع تھا اگرچہ شوہر سن سے اُتر چکے تھے اور بیوی عقیم تھی لیکن تاہم تھے دونوں، اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت معتاد طریقہ سے بالکل ہٹ کر ہے اس لئے کہ یہاں مرد و عورت کی یکجائی بالکل نہیں پہلی صورت میں "یفعل" کا لفظ بالکل کافی ہے اور دوسری صورت یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں "یخلق" کا لفظ ضروری ہے جو خدا تعالیٰ کی صفت ایجاد و اختراع پر خاص طور پر دلالت کرتا ہے، لکھا ہے کہ ھناک یفعل لا نہ ممکن اذ ھو من ذکر و انثیٰ مسنین وھنا یخلق لانہ لو یعھد مولود من غیر ذکر فجاء بلفظ یخلق الدال علی الاختراع الصرف من غیر مادۃ ذکر" یاد رکھنا چاہیئے کہ اسباب خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں وہ قادر علی الاطلاق جس طرح اس پر قادر ہے کہ اسباب کو حرکت میں لاکر ایک چیز (مسبب) کو وجود میں لے آئے بلاشبہ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اپنی قدرت کا مظاہرہ کرنے کیلئے اسباب کے بغیر بھی کسی چیز کو وجود بخشدے۔ آج اطباء اور ڈاکٹر ان کے یہاں بعض بیماریوں کے لئے کچھ خاص قسم کے جراثیم اور مادہ کی ضرورت ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مرض، مریض میں موجود ہے لیکن ڈاکٹروں کی رائے میں وہ ان جراثیم کے بغیر پیدا ہو گیا جو اس مرض کے لئے ضروری تھے۔ زہر! ہم اور آپ سب ہی جانتے ہیں کہ انسان کیلئے قاتل و مہلک ہے (باقی برصفحہ

إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ

جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰؑ (کچھ غم نہ کرو) بیشک میں تم کو وفات دینے والا ہوں اور (فی الحال) میں تمکو اپنی طرف اٹھائے لیتا ہوں اور تمکو ان لوگوں سے پاک کرنیوالا

كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ

ہوں جو منکر ہیں اور جو لوگ تمہارا کہنا ماننے والے ہیں ان کو غالب رکھنے والا ہوں ان لوگوں پر جو کہ (تمہارے) منکر ہیں روز قیامت تک پھر

إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ○ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا

میری طرف ہوگی سب کی واپسی سو میں تمہارے درمیان (عملی) فیصلہ کردونگا ان امور میں جنمیں تم باہم اختلاف کرتے تھے تفصیل (فیصلہ کی) یہ ہے کہ جو لوگ

فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ○ وَأَمَّا

(ان اختلاف کرنے والوں میں) کافر تھے سو ان کو سخت سزا دونگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور ان لوگوں کا کوئی حامی (طرفدار) نہ ہوگا اور جو لوگ

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ○

مومن تھے اور انھوں نے نیک کام کئے تھے سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے (ایمان اور نیک کاموں کے) ثواب دینگے اور اللہ تعالیٰ محبت نہیں رکھتے ظلم کرنیوالوں سے

ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ○ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ

یہ ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں جو کہ (آپ کے منجملہ دلائل (نبوت) کے ہیں اور منجملہ مضامین حکمت آمیز کے ہے۔ بیشک حالت عجیبہ (حضرت) عیسیٰؑ کی اللہ تعالیٰ

كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ○ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ

کے نزدیک مشابہ حالت عجیبہ (حضرت) آدم کے ہے کہ ان (کے قالب) کو مٹی سے بنایا پھر انکو حکم دیا کہ (جاندار) ہوجا بس وہ (جاندار) ہو گئے یہ امر واقعی آپکے پروردگار کیطرف سے

بقیہ حاشیہ صہ۵۳ لیکن ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ فلاں آدمی نے مرنے کیلئے زہر کا استعمال کیا لیکن ہلاکت کے بجائے اس کی گئی ہوئی صحت ہی لوٹ آئی پس جبکہ یہ واقعات پیش آرہے ہیں تو عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا محض اس وجہ سے انکار کہ عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے کس طرح صحیح ہوگا سیدہ مریم کے پاس جو فرشتہ آیا اور جس کی پھونک پر ایک جیتا جاگتا بچہ تیار ہوگیا اس سے متعلقہ تفصیلات انشاء اللہ عنقریب فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا والی آیت کے تحت زیر بحث آئیں گی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور فضائل قرآن مجید نے جو سنائے ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ تورات کی تعلیم دیں گے اور علوم و اخلاق کی تہذیب (حکمت) ان کے وجود گرامی سے دنیا میں پھیلے گی۔ تورات کے جو علوم اور مطالبے یہودیوں کی غلط روی کی وجہ سے صدیوں سے پس پشت ڈال دیئے گئے تھے اس کی تعلیم کے لئے ایک نبی کی بعثت بالیقین دنیا پر خدا تعالیٰ کا ایک عظیم احسان تھا حکمت سے مراد علوم اور تہذیب اخلاق ہے امام رازی نے لکھا ہے کہ المراد بالحکمۃ تعلیم العلوم وتھذیب الاخلاق اسکے بعد سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے کچھ اہم معجزات کا تذکرہ آیا ہے، معجزات کے باب میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ خدا تعالیٰ اکثر پیغمبر کو وہی معجزہ عنایت فرماتا ہے جو اس کے دور کا سب سے بڑا فتنہ اور انسانوں میں گمراہی کا خاص باعث بن رہا ہو، عہد عیسوی طب یونانی کے کمالات کا آخری عہد تھا، یونانی معالجہ کی ناکامیابی انسانوں کے امراض اور لاعلاج بیماریوں کا شفا بخش علاج ڈھونڈ رہی تھی ضرورت تھی کہ اس دور میں اسی طرح کے معجزات حضرت عیسیٰ کو دیئے جائیں

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ

(بتلا یا گیا) ہے سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جیئے پس جو شخص آپ سے عیسیٰؑ کے باب میں (اب بھی) حجت کرے آپ کے پاس علم (قطعی) آئے پیچھے

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا

تو آپ فرما دیجئے کہ آجاؤ ہم (اور تم) بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور خود اپنے تنوں کو

وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا

اور تمہارے تنوں کو پھر ہم (سب مل کر) خوب دل سے دعا کریں اس طور پر کہ اللہ کی لعنت بھیجیں ان پر جو (اس بحث میں) ناحق پر ہوں بیشک یہ (جو کچھ)

لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

مذکور (ہوا) وہی ہے سچی بات اور کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اور بلاشک اللہ تعالیٰ ہی غلبہ والے حکمت والے ہیں

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝ ع

پھر بھی اگر سرتابی کریں تو بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں فساد والوں کو

وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تم کو موت دینے والا ہوں اور تم کو اپنی طرف (ابھی) اٹھانے والا ہوں اور ان لوگوں سے جو کافر ہیں تم کو پاک کرنے والا ہوں اور جو تمہارے پیرو ہیں ان کو قیامت تک ان پر غالب رکھنے والا ہوں جو تمہارے منکر ہیں۔ تم سب کی واپسی میری طرف ہوگی سو میں تمہارے درمیان اس بات میں فیصلہ کروں گا جس میں تم باہم اختلاف کرتے رہتے تھے، سو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا انھیں دنیا اور آخرت میں سخت سزا دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا اور جو لوگ ایمان بھی لائے اور نیک عمل بھی کیے سو اللہ تعالیٰ انھیں پورے پورے صلے دیگا اور اللہ تعالیٰ ناانصافوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یہ جسے ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں نشانیوں میں سے ہے اور پُرحکمت مضامین میں سے، بے شک عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کے حال کی طرح ہے اللہ نے ان کو مٹی سے بنایا پھر ان سے کہا وجود میں آجاؤ چنانچہ وہ وجود میں آگئے۔ یہ امر حق تیرے رب کی طرف سے ہے سو تو کہیں شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا، پھر اگر کوئی آپ سے اس بارہ میں حجت کرے حالانکہ آپ کے پاس اس باب میں "علم صحیح" پہونچ چکا تو آپ (بجائے مناظرہ کے) یوں کہدیجئے کہ اچھا آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بھی بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اور اپنے آپ کو بھی اور تمہیں بھی، پھر ہم خشوع سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں بیشک یہی سچا واقعہ ہے۔ کوئی معبود نہیں اللہ تعالیٰ کے سوا وہ زبردست ہے حکمت والا ہے اور اگر اس پر بھی یہ سرتابی کریں تو بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے مفسدین کا۔

عیسیٰ علیہ السلام کا رفع آسمانی

یہ اس وقت کا واقعہ نقل فرمارہے ہیں جبکہ یہودیوں کی سیہ کاریوں سے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر عرصۂ حیات تنگ ہوگیا اور خود عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنی جان کے بارہ میں خطرہ ہوگیا تو ان کو خدا تعالیٰ کی جانب سے ایک پیغام ملا جس میں ان کو بشارت دی گئی تھی کہ آپ کے یہ مخالفین آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے نہ یہ آپ کی جان لے سکیں گے بلکہ آپ اپنی دنیاوی زندگی کی تمام مدت پوری فرمائیں گے اور آپ کو اسی سبب سے اور اسی وقت موت ہوگی جو خدا تعالیٰ نے لکھ دیا ان کی یہ ازشیں بالکل ناکام رہیں گی اور آپ کی جان ہرگز ان کے ہاتھوں ضائع نہ ہوگی، آپ کی حفاظت کی سردست ہم یہ صورت تجویز کرتے ہیں کہ ہم آپ کو اپنی جانب اٹھا لیتے ہیں اور آپ کا قیام وہاں کراتے ہیں جو مقام ہمارے فرشتوں کیلئے مخصوص ہے اور آپ کو کفار کی دست درازیوں سے بالکل محفوظ کر لیا جائے گا۔

بعض مفسرین نے مُتَوَفِّیکَ کا ترجمہ یہ بھی کیا ہے کہ میں آپ کو مکمل طور پر زمین سے اٹھالوں گا کیونکہ توفی کے معنی کسی چیز کے مکمل لینے کے آتے ہیں عربی میں استعمال ہوتا ہے توفیت مالی علی فلان کہ میں نے فلاں سے اپنا روپیہ پورا پورا وصول کر لیا۔ ایک ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ آپ اپنی دنیاوی زندگی دنیا میں دوبارہ تشریف لا کر پوری کریں گے لیکن اس وقت آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا جاتا ہے۔ اس معنی کے پیش نظر "متوفیک" (میں تم کو وفات دوں گا) بعد میں رہا اور "رافعک" (میں تم کو آسمان کی جانب اٹھائے لیتا ہوں) ترجمہ و ترتیب میں مقدم رہا۔ کیونکہ ان دونوں میں جو واؤ استعمال ہوا ہے وہ ترتیب پر دلالت نہیں کرتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ میری امت میں خلیفہ کی حیثیت سے نازل ہوں گے آپ صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کریں گے اور اس دنیا میں دوبارہ تشریف لانے پر کل چالیس سال قیام کریں گے، آپ کی شادی بھی ہوگی، بال بچے بھی ہونگے اور اس کے بعد آپ کی وفات ہوگی اور میری امت کیسے ہلاک ہوسکتی ہے؟ (انشاء اللہ ہلاک نہ ہوگی) جس کے ابتدائی دور میں میں رہا اور جس کا آخری عہد نفوس عیسوی کی برودت سے بہرہ ور ہوگا اور جس کے عہد وسطیٰ میں مہدی جو میرے اہل بیت میں سے ہوں گے موجود ہوں گے۔ اس حدیث سے جہاں مہدی کے ظہور پر روشنی ملتی ہے وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور آپ کے بعض اہم کارناموں پر بھی ایک مختصر تبصرہ ہے۔

ایک ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ میں اے عیسیٰ سردست آپ کو سلا دوں گا اور پھر نیند کی حالت میں آپ کو اوپر اٹھا لیا جائے گا اور جاگیں گے آپ تو میرے پاس محفوظ و مامون ہوں گے یہ اس لئے تاکہ "رفع" کے اس عمل سے آپ پر کوئی خوف و دہشت طاری نہ ہو اور اے عیسیٰ یہ بھی یاد رکھئے کہ آپ کے متبعین کو (جو یقیناً مسلمان ہی ہیں کیونکہ مسلمانوں کا ہی عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں عقیدہ سب سے زیادہ صحیح اور استوار رہا) میں آپ کے مخالفین پر قیامت تک کے لئے ایک غلبہ عنایت کردوں گا (اس میں یہود جس طرح شریک ہیں ایسے ہی نصاریٰ بھی مراد ہیں کیونکہ یہود نے اگر عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت اپنے عمل سے کی تو نصاریٰ نے آپ کا خلاف اپنے عقائد سے کیا) یہ غلبہ دلائل کے اعتبار سے ہر زمانہ میں حاصل رہے گا لیکن کبھی کبھی تلوار کے زور سے بھی مسلمان آپ کے مخالفین کو مغلوب کریں گے پھر سب کو میرے ہی پاس آنا ہے اور میں ان تمام اختلافات میں جو آپ کے سلسلہ میں آپ کے متبعین (یعنی مسلمانوں میں) اور آپ کے مخالفین (یہود و نصاریٰ) میں ہو رہے ہیں (مثلاً عیسیٰ زندہ ہیں یا وفات پاگئے، آسمان پر باحیات ہیں یا نہیں، العیاذ باللہ کیا وہ خدا تھے یا ایک انسان اور خدا کا بندہ؟ جلیل القدر پیغمبر تھے یا معاذ اللہ ایک غلط کار آدمی جیسا کہ بدبخت یہودی آپ علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں) یاد رکھئے آپ کے منکرین کو ایسی دردناک سزا دی جائے گی کہ ان کا اس وقت کوئی حامی و ناصر بھی نہ ہوگا اور جنہوں نے حقائق اور سچائی پر یقین رکھا اور اپنی زندگی میں عمل بھی استوار اور عقائد کے مطابق جاری رکھا تو ان کو ان کے اعمال و اقوال کا بدلہ پوری طرح دیا جائے گا اور سچ تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی بھی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو عقیدہ و عمل کے

اعتبار سے غلط کار ہو۔ پھر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اے محمدؐ یہ جو واقعہ ایک مختصر تفصیل کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کا آپ کو سنایا گیا یا اس سے پہلے جو واقعات آپؐ کو سنائے جاتے رہے خوب یاد رکھیئے حقائق ہیں جو وحی کے ذریعہ سے آپؐ کے قلب پر القا کئے جاتے ہیں۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے "ذلک" مبتدا ر ہے اور "نتلوہ علیک" خبر "من الآیات" دوسری خبر ہے۔

وفد نجران نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کے دوران یہ بھی کہا کہ کیا آپ دنیا میں کوئی مثال ایسی بتا سکتے ہیں کہ بچہ باپ کے بغیر پیدا ہو گیا ہو؟ اور اگر ایسی کوئی مثال موجود نہیں تو پھر عیسیٰ باپ کے بغیر کیسے پیدا ہو سکتے ہیں اس لئے بالیقین وہ اللہ کے بیٹے ہیں (والعیاذ باللہ)، اس پر اس وفد کے ان واہی خیالات کی تردید کے لئے حسب ذیل آیات نازل ہوئیں کہ آپؐ ان سے کہیئے کہ اے نصاریٰ دور کیوں جاتے ہو خود تم بھی جانتے ہو کہ "آدم" تو بغیر باپ اور ماں کے محض خدا تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوئے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو پھر باپ کے بغیر اگر عیسیٰ پیدا ہو جائیں تو اس میں کیا تعجب ہے۔ عیسیٰ کی مثال خدا تعالیٰ کے نزدیک بالکل آدم ایسی ہے کہ ہم نے پہلے مٹی سے آدم کا پتلا تیار کیا اور پھر ان سے کہا کہ آپ مکمل انسان ہو جایئے حکم کے ساتھ ہی وہ ایک اچھے خاصے انسان ہو گئے تو تم خود بتاؤ کہ کیا ایک انسان بغیر ماں اور باپ کے پیدا کرنا مشکل ہے یا نہیں اگر ہے اور خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کو پیدا کر دیا تو عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر دینا ان کے لئے کیوں ناممکن ہوگا؟ حالانکہ عیسیٰ کی پیدائش تو صرف باپ کے بغیر ہوئی اور آدم تو نہ ماں رکھتے تھے اور نہ باپ۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے ایک ایسے واقعہ کو تمثیلاً ذکر فرمایا کہ جو اپنی جگہ بہت ہی نادر اور تعجب انگیز ہے یعنی آدمؑ کی پیدائش کا قصہ تو اس سے یقیناً عیسیٰ کی ولادت کا استعجاب تو ضرور دور ہو جانا چاہیئے جس میں حیرت اس واقعہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔

ایک عالم کے متعلق واقعہ مشہور ہے کہ وہ روم میں گرفتار کر لئے گئے لیکن وہ جیل کی زندگی میں بھی امر حق کی تبلیغ و اشاعت سے باز نہ آئے ایک دن چند عیسائی مناظرین سے انھوں نے دریافت کیا کہ کیوں صاحب یہ عیسیٰ ہی کو آپ نے خدا کیوں بنا چھوڑا ہے؟ عیسائی بولے کہ کیونکہ عیسیٰ باپ کے بغیر پیدا ہوئے ہیں اور یہی ان کی الوہیت کی دلیل ہے اس لئے ہم نے ان کو اپنا خدا سمجھا۔ اس پر عالم نے کہا کہ اگر بات یہ ہے تو پھر آدم کو خدا بنانا چاہیئے تھا اس لئے کہ وہ تو باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا ہوئے ہیں۔ اس پر انھوں نے کہا کہ اچھا عیسیٰ کی ایک مزید خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا تھے عالم نے جواب دیا کہ خدا بنانے کے لئے یہ دلیل کارآمد ہے تو پھر عیسیٰ کے مقابلہ میں حزقیل کو خدا بنانا ضروری تھا کیونکہ تمہاری اپنی روایات کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام نے تو کُل چار ہی آدمی زندہ کئے حزقیل کے متعلق تو آتا ہے کہ انھوں نے آٹھ ہزار آدمیوں کو زندہ کر دکھایا، مناظرین نے کہا کہ اور عیسیٰ میں ایک بات یہ اور تھی کہ وہ مادر زاد اندھوں اور جذامیوں کو اچھا کر دیتے عالم نے کہا کہ یہ بھی کوئی اہم بات نہیں اور اگر ہے تو جرجیس زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کو خدا بنایا جائے اس لئے کہ ان کو ایک مرتبہ جلا دیا گیا لیکن پھر وہ صحیح و سالم کسی داغ اور جلے ہوئے نشان کے بغیر اٹھ کھڑے ہوئے۔

فرماتے ہیں کہ اے محمدؐ عیسیٰ کے بارہ میں جو حق تھا کہ وہ ایک بندہ تھے خدا نہ تھے وحی کے ذریعہ سے آپ کو اور آپ کی امت کو خوب بتا دیا گیا اس لئے اب آپؐ کی امت کو اس امر حق کے سلسلہ میں کوئی شبہ نہ ہونا چاہیئے۔ شک و شبہ کی جو ممانعت فرمائی گئی عام مفسرین نے اس کا مخاطب امت کو سمجھا ہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ظاہر ہے کہ ان حقائق میں ذرا بھی شبہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے آپ کو حکم دینے کی ضرورت نہیں بلکہ ہم اور آپ اس کے مخاطب ہیں۔ لیکن بعض مفسرین کی رائے ہے کہ خطاب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہے کہ آپ جس طرح آج عیسیٰ کے باب میں ان حقائق پر قائم رہے ہیں آیندہ بھی انھیں سچائیوں پر آپ کا یقین رہنا چاہیئے۔ بہرحال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حقائق کے بارہ میں ہر قسم کے شک و شبہ سے الحمد للہ بالکل محفوظ تھے اس لئے آیات میں مفسرین کو یہ توجیہات کرنا پڑیں۔

مباہلہ ارشاد ہے کہ اگر نصاریٰ اب بھی آپ سے حضرت عیسیٰ کے بارہ میں حجت بازی کریں درانحالیکہ آپ کو اس بارہ میں واقعی حقائق معلوم ہو چکے ہیں تو آپ ان سے مناظرہ بازی تو مت کیجئے اس لئے کہ اس سے تو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ ہاں ان کو مباہلہ کی دعوت دیجئے جس کی صورت یہ ہے کہ آپ اپنے اہل وعیال کو گھر سے باہر بلکہ شہر سے باہر جمع کیجئے اور یہ نصاریٰ بھی اپنے بیوی بچوں کو باہر لیکر آئیں اور حق تعالیٰ سے اس شخص کے بارہ میں لعنت کی بد دعا کریں جو عیسیٰ کے بارہ میں غلط راہ پر ہو۔ یہ لفظ مباہلہ "بہلہ" سے ماخوذ ہے جو ہاء کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ استعمال ہے اس کے معنی لعنت کے آتے ہیں۔ اہل عرب کہتے ہیں کہ "بہلہ اللہ" یعنی فلاں کو خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔ گویا کہ مباہلہ اور ابتہال کے لغوی معنی تو یہی ہیں لیکن اب عربی میں یہ باصرار دعا کیلئے استعمال ہونے لگا خواہ لعنت کی بد دعا ہو یا نہ ہو۔

احادیث میں آپ کے اس مباہلہ کی دعوت کی تفصیلات بھی آئی ہیں۔ بیان ہے کہ آپ نے جب وفد نجران سے کہا کہ اب معقول دلائل اور باتوں کے نتیجہ میں تو تم عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں راہ راست پر آئے نہیں تو آؤ اب مباہلہ ہی کر لیں اس پر وہ بولے کہ اچھا ہم مشورہ کر لیں۔ جب یہ وفد تنہائی میں جمع ہوا اور آپس میں ان میں گفتگو ہونے لگی تو عاقب جو ان میں سب سے زیادہ سمجھدار تھا بولا کہ سا تھیو! تم کو معلوم ہے کہ محمدؐ بے شک نبی ہیں اور ان کے نبی آخر الزماں ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ جب کسی قوم نے نبی سے مباہلہ کیا تو نہ ان کے بڑے زندہ رہے اور نہ آگے کو نسل چلی، اور میرا یقین ہے کہ اگر تم حماقت سے محمدؐ سے اس معاملہ میں مباہلہ کر بیٹھے تو یقیناً تم سب ہلاک ہو جاؤ گے، سو اگر تم اپنے ہی دین پر قائم رہنا چاہتے ہو اور "اسلام" کو قبول نہیں کرتے تو میری تو رائے یہ ہے کہ ان سے صلح وصفائی کر لو اور اپنے گھر واپس چلو۔ اس مشورہ کے بعد یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپؐ مباہلہ کی پوری تیاری کے ساتھ باہر تشریف لا چکے تھے حسین آپ کی گود میں تھے اور حسن کی آپ نے انگلی پکڑ رکھی تھی سیدہ فاطمہؓ آپ کے پیچھے چلی آ رہی تھیں اور ان کے پیچھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے اور آپ ان سب سے یہ فرماتے چلے آ رہے تھے کہ میں جب دعا کروں گا تو تم آمین کہنا۔

وفد نجران کا رئیس یہ حالت دیکھ کر اپنے آدمیوں سے بولا کہ خدا کی قسم معاملہ بہت نازک ہے آج یہ اس حالت میں ہیں کہ تم ان سے یہ بھی کہو کہ دعا کیجئے تا کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو اگر یہ دعا بھی کریں گے تو بخدا پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے گا تم کو قسم ہے ان سے ہرگز مباہلہ نہ کرنا اگر کرو گے تو یاد رکھو کہ روئے زمین پر کوئی عیسائی زندہ نہیں رہے گا۔ سب اس پر متفق ہو گئے کہ مباہلہ نہ ہونا چاہیئے اور آپ کی خدمت میں آ کر بولے کہ ہم سب کی رائے یہی ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ہر سال دو ہزار پوشاک دینے پر صلح کر لی۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بخدا وفد نجران ہلاکت کے قریب آ پہونچا تھا اگر یہ مباہلہ کر لیتے تو سب کے سب اسی وقت بندر اور سور کی شکل کے ہو جاتے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ ابھی آپ کو معلوم ہوا کہ مباہلہ کے لئے جب آپ تشریف لائے تو اپنی دختری اولاد کو مع اُن کی والدہ ماجدہ اور داماد کو بھی ساتھ لے لیا، حالانکہ اگر آپ تنہا مباہلہ فرماتے تو جب بھی کافی تھا۔ یہ آپ نے اس لئے کیا تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ آپ کو اپنی صداقت کا مکمل یقین ہے، جب ہی تو آپ ان اہل وعیال کو بھی ہمراہ لے نکلے جن کو بالعموم اس طرح کے مواقع پر کوئی اپنے ساتھ نہیں رکھتا۔ اور آپ یہ بھی چاہتے تھے کہ آپ کا دشمن بھی مکمل طور پر ہلاک ہو اگر وہ مباہلہ کے لئے آمادہ ہو جائیں کیونکہ ظاہر ہے کہ جواب میں اُن کو بھی اپنے تمام اہل وعیال کے ساتھ آنا پڑتا۔ مباہلہ میں بیوی اور بچوں کو خاص طور پر لیکر بھی اس لئے نکلتے ہیں کہ آدمی کو ان سے دلی تعلق ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ان بیوی بچوں کو ہمراہ لانے کا تذکرہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت سے بھی پہلے کیا گیا۔

بہرحال مباہلہ کی دعوت اور وفد نجران کا اس کے لئے تیار نہ ہونا جیسا کہ موافق اور مخالف سب روایتوں سے ثابت ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی صداقت کی ایک کامل دلیل ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں بھی آپ کی نبوت ثابت تو تھی جب ہی تو وہ مباہلہ سے اعراض کرتے تھے اگرچہ عناداً آپ کی نبوت کا انکار کرتے۔

آخر میں ارشاد ہے کہ اے محمدؐ ہم نے جو آپ کو عیسیٰ کا واقعہ سنایا ہے وہ بالکل حق ہے اور یہ بھی سب سے بڑی صداقت ہے کہ خدا تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور معبود قطعاً نہیں اور یہ نصاریٰ جو تین خدا مانتے ہیں قطعاً باطل پر ہیں اور یہ یاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ ان سے ان غلط باتوں کا انتقام پوری طرح لے گا کیونکہ وہ عزیز ہے اور انتقامی کارروائی میں جو کچھ تاخیر ہو رہی ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ عاجز ہے بلکہ اس لئے ہے کہ خدا تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اس میں زبردست حکمت ملحوظ ہوتی ہے تو تاخیر عذاب میں یقیناً کوئی نہ کوئی حکمت ہی ہے۔ ان صاف صاف باتوں پر بھی اگر وہ اعراض کریں اور حق بات کو قبول نہ کریں تو آپ کوئی فکر نہ کیجئے یہ مفسد ہیں اور خدا تعالیٰ مفسد سے خوب واقف ہے اس لئے وہ ان کو ان کے کئے ہوئے کی بھرپور سزا دے گا۔

۵۱ پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ اہم معجزات ذکر فرما کر اور یہ کہ وہ بنی اسرائیل کی جانب ایک جلیل القدر پیغمبر کی حیثیت سے بھیجے گئے تھے جن کے وجود گرامی سے جہاں ان کی آسمانی کتاب تورات کی تصدیق ہو رہی تھی وہیں بعض خدا تعالیٰ کی ان انعام نعمتوں سے بھی دوبارہ ان کو متمتع ہونے کا موقع مل رہا تھا جن سے اُن کو خود ان کی شرارتوں اور کینہ دوزی کی وجہ سے محروم کر دیا گیا تھا چاہیئے تو یہ تھا کہ اپنے ان گوناگوں منافع کی خاطر یہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے سب سے پہلے معترف اور مقر ہوتے لیکن نبوت تو تسلیم کرنا درکنار یہ الٹے عیسیٰ علیہ السلام کے جان لیوا دشمن ہو گئے چنانچہ انھوں نے باقاعدہ آپ کی جان لینے کی سازشیں شروع کر دیں، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی ان فریب کارانہ کوششوں کا بغور مطالعہ کیا تو آپ کو اپنی جان سے زیادہ اس دین کا فکر ہوا جس کے آپ داعی تھے آپ کا خیال تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد صداقت کی یہ روشنی جو میرے ہاتھوں اس دنیا میں پھر سے روشن ہوئی ہے گل ہو کر نہ رہ جائے اس لئے آپ نے اپنے خاص متعلقین کو جن کے بارہ میں آپ کو اعتماد تھا کہ یہ میرے بعد دین کا کام کریں گے جمع کر کے فرمایا کہ بھائیو! اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جاں نثاری کا وقت آ گیا اور وہ ساعتیں قریب آ پہونچیں جبکہ انسانوں کے کفر و ایمان استقلال اور استقامت کا خدا تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہو اب تم بتاؤ کہ تم میں سے وہ کون ہیں جو اپنے آپ کو تمام نقصانات اور خطرات میں ڈال کر دین کی حفاظت کے لئے سرفروشانہ آگے بڑھیں۔ حواریین جو آپ کے مخصوص تربیت یافتہ تھے بولے کہ اے پیغمبر جلیل! ہم اس مقصد کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دیں گے بلکہ انھوں نے وہیں اس عہد پر اپنے حتمی اور قطعی ارادہ کا اظہار کرتے ہوئے خود عیسیٰ کو اور اس کے بعد خدا تعالیٰ کو شاہد بنایا۔

فرماتے ہیں کہ ادھر یہود عیسیٰؑ کی جان لینے کی سازشیں کر رہے تھے اور ادھر خدا تعالیٰ بھی ان کی ان تدابیر کا توڑ کر رہا تھا انھوں نے عیسیٰ کے خلاف اجتماع کیا تو ہم نے بھی اپنی تدبیر سے عیسیٰ کے گرد مخلصین جمع کر دیئے، اگر وہ باطل پر اڑے ہوئے تھے تو یہ حق پر فداکارانہ جذبات کے حامل تھے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی تدابیر کے مقابلہ میں کس کی چل سکتی ہے۔ چنانچہ ہم نے حضرت عیسیٰ کو ان صاف طریقہ پر بچا لیا کہ یہ دیکھتے ہی رہ گئے چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کے جو سامان خدا تعالیٰ کی جانب سے ہوئے وہ یہ تھے کہ اُن کو ان کے جسم عنصری یعنی جسد خاکی، روح کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیا گیا جس کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اطلاع بھی دی گئی۔ رہائی یہ ...

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹) اور کیونکہ اکثر انبیاء علیہم السلام اپنی موت پر مطلع کر دیئے جاتے ہیں جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب نبی کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو دنیاوی زندگی اور موت دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا پورا پورا موقع دیتا ہے۔ بلکہ انبیاء کا مقام تو بہت اونچا اور ارفع ہے عام مومنین کو بھی اپنی زندگی کے آخری ایام کا کچھ نہ کچھ احساس ہو جاتا ہے اور ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابھی اپنی موت کا کوئی احساس نہیں تھا تو عجب نہیں کہ حفاظت کے اس وعدہ پر ان کے قلب میں یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ حفاظت کس طرح پورا ہو گا کیا مجھ کو مار کر یا میری زندگی کے جو حصے باقی ہیں وہ مجھ کو دنیا میں گذارنے کا موقع ملے گا، اسی الجھن کو دور کرنے کے لئے ارشاد ہوا کہ عیسیٰ گھبراؤ نہیں آپ کو آپ کی حیات دنیوی کا ایک ایک سیکنڈ دنیا میں گذارنے کا پورا موقع دیا جائے گا اور ہم آپ کی دنیاوی زندگی کی تمام مہلت پوری کرنے کے بعد مکمل آپ کی روح قبض کریں گے لیکن سر دست آپ کو آسمان پر اٹھا لیا جائے گا اور پھر ایک خاص وقت میں اپنا وقت پورا کرنے کے لئے آپ دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ قرآن مجید نے اس موقع پر توفّی کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی ہی کسی چیز کو مکمل طور پر لینے کے آتے ہیں۔ صاحب مدارک نے بھی "توفّی" کے اس لغوی مفہوم پر توجہ دلائی اور باقی مفسرین بھی اس حقیقت کو بصراحت لکھتے ہیں چنانچہ زمخشری نے لکھا ہے کہ ای مستوفی اجلك و معناه انی عاصمك من ان یقتلك الکفار و موخرك الی اجل کتبته لك یعنی آپ اپنا وقت پورا کریں گے میں آپ کو کفار سے بالکل محفوظ رکھونگا اور اس وقت تک آپ کی موت بالیقین مؤخر کی جائے گی جو وقت آپ کی زندگی کا باقی رہ گیا۔ قاضی بیضاوی نے بھی لکھا ہے کہ مؤخرك الی اجلك المسمّٰی عاصمك ایاك من قتلهم۔

اور فخر رازی نے تو اور بھی بات کو واضح طور پر بیان کرتے ہوئے حسب ذیل الفاظ اپنی معرکۃ الآرا تفسیر میں درج کیے ہیں کہ اے عیسیٰ میں آپ کی عمر پوری کردوں گا اور اسی وقت موعود پر آپ کی موت طبعی ہوگی ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ آپ کو قتل کر کے آپ کی جان لے لیں، میں آپ کی مکمل حفاظت کے لئے سر دست یہ کرتا ہوں کہ آپ کو آسمان پر اٹھائے لیتا ہوں اور اس مقام پر لا بٹھاتا ہوں جو فرشتوں کا مخصوص مقام ہے۔ بہر حال آپ کی حفاظت کی جائے گی اور ان اشرار و کفار کے ہاتھوں آپ کو قتل نہ ہونے دیا جائے گا۔ امام رازی نے یہ لکھ کر پھر خود لکھا ہے کہ "ھٰذا تاویل حسن" یعنی احادیث و قرآن کے مختلف مقامات کو معنوی اعتبار سے یکساں کرنا اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہنے دینے کے لئے یہ ہماری توجیہ جو مذکورہ بالا سطور میں لکھی گئی بہترین ہے

ان آیات میں جو "متوفیک" پہلے آ گیا اور "رافعک" بعد میں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے توفی ہوگی اور بعد میں رافع اور جو بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتی اس لئے کہ توفی کا معاملہ بعد میں ہونا چاہیئے اور سر دست رفع کا عمل جاری ہونا ضروری ہے۔ تو اس اشکال کو ختم کرنے کے لئے بعض مفسرین نے تو یہ جواب دیا ہے کہ ترتیب یوں ہی ہے کہ پہلے "رافعک" ہے اور بعد میں "متوفیک"۔ یہ مفسرین لکھتے ہیں کہ ان دونوں لفظوں کے درمیان واؤ استعمال ہوا ہے جو ترتیب پر دلالت نہیں کرتا۔ اس لئے اگر ترتیب، احادیث اور قرآن مجید کے دوسرے بیانات سے مطابق کرنے کے لئے بدل دی جائے تو کوئی ایسا لفظ یہاں مذکور نہیں جو اس ترتیب کو بدستور باقی رکھنے کا طالب ہو اگر مذکور ہے تو واؤ ہے اور اس کی ترتیب پر کوئی دلالت نہیں اس لئے بے تکلف متوفیک بعد میں اور رافعک مقدم کر سکتے ہیں۔

اور دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو، یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ آپریشن سے پہلے کلوروفارم سونگھایا جاتا ہے تاکہ مریض کو عمل جراحی کی تکلیف اور اذیت کا احساس نہ ہو، بہت ممکن ہے کہ آسمان کی بلندیوں میں اوپر چڑھنے سے انسانی حیات شدید طور پر متاذی ہوتی ہو جس کے لئے انسان پر قدرے غنودگی کا طاری کرنا اس اذیت سے بچانے کے لئے ضروری ہو۔ یہ ہوائی جہاز میں سفر کرنے والے جانتے ہیں کہ جہاز جب زمین کی سطح سے آسمانی فضاؤں میں مصروف حرکت ہوتا ہے تو مسافرین کو (باقی بر صفحہ ۶۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰) ایک اذیت ضرور محسوس ہوتی ہے۔ بہر حال کچھ بھی ہو یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع جسد عنصری آسمان پر تشریف لے گئے اور قرب قیامت میں آپ دوبارہ تشریف لائیں گے اور شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق کچھ عرصہ حکومت اسلامیہ کی صدارت جمہوریہ انجام دینے کے بعد وفات پائیں گے اور مدینہ منورہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پُرانوار پر جو ایک قبر کی جگہ باقی رہ گئی اس میں آپ دفن ہوں گے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث سے ثابت ہے۔ حیرت ہے کہ شیخ عبدہ نے المنار میں امت کے اس اجماعی عقیدہ کے خلاف آیات مذکورہ کی تفسیر کی اور اسی طرح سید قطب نے اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں لکھا ہے۔ سید قطب کا معاملہ تو نہایت ناقابلِ التفات ہے اس لئے کہ وہ نہ کوئی مفسر ہیں اور نہ علوم میں ان کی حذاقت مسلّم، ایک انشا پرداز ہیں اور دور حاضر کے بہت سے انشا پرداز دماغوں کی طرح ان کے قلم پر بھی بجائے دماغی وذہنی کاوشوں اور انشا طرازیوں کے کبھی کبھی قرآن وحدیث کے دقیق مسائل پر کلام کرنے کا بے پناہ جذبہ نمایاں ہوجاتا ہے۔ لیکن شیخ عبدہ اور ان سے زیادہ ان کے شاگرد رشید علامہ رشید رضا کا معاملہ حیرت انگیز ہے، افسوس ہے کہ اپنے شیخ واستاد کی اس غیر معمولی غلطی پر ان کے جری وبے باک قلم نے سکوت کیوں اختیار کیا۔

5278

رشید رضا نے المنار میں اپنے استاذ فاضل شیخ عبدہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جن احادیث سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع آسمانی جسم عنصری کے ساتھ ثابت ہے وہ خبر واحد کے درجہ کی چیزیں ہیں جن کو اتنی اہمیت دینا کہ ان سے ایک مستقل عقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کا تیار کرلیا جائے صحیح نہ ہوگا،

افسوس صد افسوس اپنے وقت کا یہ فاضل گرامی اور علوم حدیث سے ایسی فاحش ناواقفیت، تمام امت نے بصراحت لکھا ہے کہ جو احادیث اس سلسلہ میں ملتی ہیں وہ اپنی کثرت وقوت کے اعتبار سے تواتر کی حد تک پہونچتی ہے۔ یہی بات تو قادیانی علیہ ما علیہ کہتے ہیں اور اس وجہ سے بھی امت نے بالاتفاق ان قادیانیوں کو کافر کہا اور سمجھا۔

شیخ عبدہ احادیث بسلسلہ حیات عیسیٰ ونزول عیسیٰ کو خبر واحد کہتے ہیں حالانکہ مشہور محدث حافظ ابن حجر اور حافظ ابن کثیر سولہ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ان روایات کو نقل کرتے ہیں جن سے سیدنا عیسیٰ کی حیات، رفع اور پھر نزول پر روشنی پڑتی ہے، جن میں سے بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تو یہ دعویٰ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کے نزول و حیات کے متعلق سینکڑوں اصحاب کے مجمع میں بیان کیں، یہ تمام صحابہ ہر دور میں بلکہ خلفاء راشدین کے عہد خلافت میں بھی ان احادیث کو بشدت وبصراحت نقل کرتے رہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر یہ روایات غلط ہوتیں یا کمزور ہوتیں تو حضرات خلفاء راشدین جو احادیث کے باب میں خاص اہتمام سے کام لے رہے تھے اتنے صحابہ کو اس کی اجازت دیتے کہ وہ کھلے بندوں ان احادیث کی روایت کریں کیا ان کو معلوم نہیں تھا کہ ان غلط روایات کا یہ شیوع آیندہ امت کو کبھی مغالطہ میں مبتلا کردیگا۔ ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ان روایات کو جن اسلام کے تابندہ موتیوں نے سنا اور جن کی ثقاہت وحفظ، اتقان ودیانت پر امت کا اعتماد رہا ہے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

سعید بن المسیب، نافع مولی ابی قتادہ، حنظلۃ بن علی الاسلمی، عبد الرحمٰن بن آدم، ابو سلمہ، ابو عمر، عطاء بن یسار، ابو سہیل، مولیٰ ابن غفارہ، یحییٰ بن ابی عمرو، جبیر بن نفیر، عروہ بن مسعود ثقفی، عبد اللہ بن زید انصاری، ابو زرعہ، یعقوب بن عامر، ابو نضرہ، ابو الطفیل وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ حاصل گفتگو یہ کہ نزول مسیح علیہ السلام سے متعلق احادیث کا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور مابعد کے زمانوں میں اس قدر شیوع ہوچکا تھا کہ ان احادیث کو متواتر کہہ کر نزول عیسیٰ کے عقیدہ کو امت نے متواترات سے سمجھ لیا (باقی ص ۶۲)

(بقیہ حاشیہ ص۶۱) چنانچہ ان احادیث کو امت طبقۃً بعد طبقۃٍ قبول کرتی رہی اور ان احادیث کے ناقل ہر دور میں محدثین کے وہ اساطین رہے جن کو امت نے حدیث کے فن میں امامت کا درجہ عطا کیا ہے مثلاً امام احمد بن حنبل رح، امام بخاری رح، امام مسلم رح، ابو داؤد رح، نسائی رح، ترمذی رح، ابن ماجہ جیسے محدثین نے ان احادیث کو کسی تنقید و جرح کے بغیر اپنے مسانید صحاح اور سنن میں درج کیا ہے۔ ان محدثین کا ان احادیث کو قبول کرنا اس بات کی علامت ہے کہ یہ احادیث اس اہم عقیدہ کے سلسلہ میں حجت اور ایک محکم دلیل ہیں۔ مفسر ابن کثیر رح نے تو اپنی مشہور تفسیر ابن کثیر جلد اول ص۵۸۳ و ص۵۷۸ میں ایک مستقل باب اسی عنوان کے ساتھ قائم کیا ہے کہ "ان احادیث کا بیان جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھالینا اور قرب قیامت میں دوبارہ دنیا میں تشریف لانا معلوم ہوتا ہے"۔ اور ان تمام احادیث کو نقل کرنے کے بعد آخر میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ وہ احادیث ہیں جو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے درجہ میں منقول ہوئی ہیں جن کے راوی آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ابوہریرہ، ابن مسعود، عثمان بن العاص، ابوامامہ، نواس بن سمعان، عبداللہ ابن عمرو ابن عاص، مجمع بن حارثہ، ابوشریح، حذیفہ ابن اسید رضی اللہ عنہم ہیں اور ان روایات سے یہ بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ع کہاں اور کس طرح نازل ہوں گے"۔

مشہور محدث ابن حجر عسقلانی رح نے اپنی شرح بخاری فتح الباری میں ابوالحسن حنفی ابری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:۔

"آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات تواتر کی حد تک پہونچ گئی ہے کہ مہدی اسی امت میں سے ہوں گے اور عیسیٰ علیہ السلام ان کی امامت میں نماز ادا کریں گے"۔ جلد۶ ص۳۸۵

اور پھر انھیں حافظ ابن حجر رح نے تلخیص الحبیر میں کتاب الطلاق میں ایک موقع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"عیسیٰ علیہ السلام کا رفع آسمان کا معاملہ تواتر کی حد تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تمام علمائے حدیث و تفسیر بلکہ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ اپنے جسد عنصری کے ساتھ ہنوز زندہ ہیں"۔

امام العصر حضرت الشیخ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور و معرکۃ الآرا تالیف عقیدۃ الاسلام میں رقم طراز ہیں کہ:۔ ص۴

"علامہ شوکانی رح نے ایک رسالہ تصنیف کیا ہے جس کا نام التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر والدجال والمسیح رکھا ہے اس رسالہ میں شوکانی نے ۲۹ - ا حادیث جو احادیث کے فنی اصول کے اعتبار سے صحیح حسن اور صالح تینوں طرح کی ہیں لکھی ہیں جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قرب قیامت میں دنیا میں تشریف لانا بتواتر ثابت ہوتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ مرفوع احادیث تو اس سے بھی زیادہ موجود ہیں اور رہ گئے وہ اقوال و آثار صحابہ رض جن سے نزول عیسیٰ قطعاً ثابت ہوتا ہے اتنے ہیں کہ ان کو تو شمار بھی نہیں کیا جا سکتا"۔

بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی اور قرب قیامت میں نزول پر امت کا اجماعی عقیدہ ہو چکا ہے اور ہمارے عقائد کا یہ ایک اہم باب ہے بلکہ کفر و ایمان کی حد فاصل۔ چنانچہ عقائد اسلامی کی مشہور کتاب عقیدہ سفارینی میں اسی اجماع امت کی تصریح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

ومن علامات الساعۃ العظمی العلامۃ الثالثۃ ان ینزل من السماء سیدنا المسیح عیسی بن مریم و	اور علامات قیامت میں سے تیسری علامت یہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم آسمان سے اتریں گے اور ان کا آسمان سے اترنا قرآن، حدیث

(بقیہ صلا) نزولہ ثابت بالکتاب والسنۃ واجماع الامۃ واما الاجماع فقد اجمعت الامۃ علی نزولہ ولم یخالف فیہ احد من اہل الشریعۃ وانما انکر ذلک الفلاسفۃ والملاحدۃ ممّا لا یعتد بخلافہ

اور اجماع امت سے قطعاً ثابت ہے اور جہاں تک اجماع امت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر پوری امت متفق ہے اور اس سلسلہ میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں البتہ فلاسفہ اور ملاحدہ نے اس کا انکار کیا ہے اور ظاہر ہے کہ امت کے اجماع کے بالمقابل ان کے انکار کی حیثیت کیا ہو سکتی ہے۔"

نبراس شرح، شرح عقائد میں بھی ہے کہ:۔ قد صح فی الحدیث ان عیسیٰ علیہ السلام ینزل من السماء الی الارض صفحہ ۵۸۶ ۔ پھر کچھ آگے لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ اس سلسلہ کی احادیث اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے بالکل واضح ہیں کسی شخص کو ان میں تاویل کرنے کی جرأت نہیں کرنی چاہیئے الفاظ یہ ہیں کہ:۔ والفاظہ نصوص مفسرۃ لا یحتمل التاویل۔"

اس طرح امت کا یہ ایک اجماعی عقیدہ ہو چکا کہ عیسیٰ علیہ السلام بجسدِ خاکی آسمان پر اٹھا لئے گئے، وہ یہودیوں کے ہاتھوں نہ قتل ہوئے اور نہ ان کو پھانسی دی گئی۔ اب اس اجماعی عقیدہ کے مقابلہ میں شیخ عبدہ اور سید قطب کا حیص بیص کوئی اعتبار نہیں رکھتا۔ بدقسمتی سے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیرو حضرت عیسیٰ ع کی وفات کے قائل ہیں لیکن سب جانتے ہیں کہ موجودہ وقت کے علماء اسلام کے اتفاقی فیصلہ کی رُو سے غلام احمد علیہ ما علیہ اور تمام فرقہ قادیانی قطعاً کافر ہے بلکہ ان کے کفر میں شبہ بھی کفر ہی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ تفصیل کا تو موقعہ نہیں تاہم مختصر الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں دوبارہ نزول کی حکمت بھی سپردِ قلم کرتے ہیں تاکہ قارئین کے ذہنوں میں یہ مسئلہ اپنی تمام تفصیلات اور مطاوبہ اہمیت کے ساتھ ذہن نشین ہو جائے لیکن ہماری اس تفصیل کو سمجھنے سے پہلے یہ خوب ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی حکمتوں اور مصالح پر انسانی علم و واقفیت کا پھیلاؤ قطعاً ناممکن ہے اس لئے جو کچھ ہم لکھیں اس کے متعلق یہ سمجھ لینا کہ یہی مصالح و حکم تھے جن کے پیش نظر یہ نزول کا معاملہ پیش آئے گا صحیح نہ ہوگا۔ نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خواہ ہم کو حکمت و مصلحت نزول عیسیٰ کی معلوم ہو یا نہ ہو تاہم اس نزول رفع اور حیات کے مسئلہ کو عقیدہ کی حیثیت سے اپنے ایمان میں داخل رکھنا ہے۔ اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ یہود کو اپنی مذہبی پیش گوئیوں کے مطابق اس کا خوب یقین تھا کہ ان کو ایک مسیح ہدایت اور ایک مسیح ضلالت سے سابقہ پڑے گا اس لئے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد "مسیح ہدایت" کے منتظر تھے لیکن بدقسمتی سے جب عیسیٰ علیہ السلام "مسیح منتظر" کی حیثیت سے تشریف لے آئے تو ان ظالموں نے حسد و بغض کی راہ سے ان کو مسیح ضلالت کہہ کر رد کر دیا بالکل اسی طرح جیسا کہ یہی اہل کتاب نبی آخر الزماں کے منتظر تھے لیکن جب رحمۃ للعٰلمین کی بعثت ہوئی تو سب سے پہلے انکار انھیں کی طرف سے ہوا اور اسی جذبہ بغض و عناد کے تحت بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جان ہی لینے کے درپے ہو گئے، ضروری تھا کہ اس مسیح ہدایت کے وجود کو خدا تعالیٰ ان چیرہ دستوں کے ظالمانہ ہاتھوں سے محفوظ رکھے اور کیونکہ آخر میں جب مسیح ضلالت یعنی دجال کا خروج ہوگا تو یہی یہود اس کو اپنی حماقت سے "مسیح ہدایت منتظر" سمجھ کر اس کی بلا تامل پیروی کریں گے اس لئے اس وقت ضروری ہوگا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام واقعی مسیح ہدایت کو آسمان سے نازل کیا جائے تاکہ ایک مرتبہ پھر دنیا کو مسیح ہدایت اور مسیح ضلالت کے درمیان فرق و امتیاز کا پورا پورا موقع مل جائے۔

(۲) اگر آپ تاریخ عالم کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ خدا تعالیٰ کا سرکش قوموں کے ساتھ دو طرح کا معاملہ رہا ایک کی ابتدا حضرت نوح علیہ السلام سے ہوئی اور حضرت لوط علیہ السلام پر اس معاملہ کو ختم کر دیا گیا اور دوسرا معاملہ (باقی بر صفحہ ۶۴)

(بقیہ صد ٦٣) حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوا اور اس کا انجام سیدنا سرورِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ پہلے معاملہ میں خدا تعالیٰ نے ان قوموں کو قطعًا ہلاک کر دیا جو اپنے نبی اور پیغمبر سے معاندانہ طور پر پیش آئیں۔ چنانچہ یہ عمل آپ کو نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت لوط علیہ السلام تک مسلسل نظر آئے گا۔ لیکن سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جب ان کی قوم نے پریشان کیا، تکذیب اور اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو بجائے اس کے کہ ان کو ہلاک کیا جاتا ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت کا حکم ہوا گویا کہ تکذیب کرنے والی قوموں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی دوسری سنت تھی۔ جس کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہو رہی تھی۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی ہجرت کا حکم دیا گیا لیکن کیونکہ فرعون آپ کو ہجرت کرنے بھی نہیں دیتا تھا اس لئے اس کو غرق کیا گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مدینہ منورہ کی ہجرت کا حکم ہوا اور تقریبًا بالکل ایسے ہی حالات میں جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تھے اور کیونکہ حضرت عیسیٰ ع اس عہد میں مبعوث ہوئے جبکہ خدا تعالیٰ کی سنت معاند اقوام کے ساتھ بیخ کنی کی نہیں بلکہ خود نبی کو وہاں سے ہجرت کی تھی اس لئے یہود کی معاندانہ سرگرمیوں کے بعد خدا تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہجرت کا حکم دیا۔ لیکن بجائے اس کے کہ ان کو دُنیا ہی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا، ایک عالم (دنیا) سے دوسرے عالم (ملکوت) کی جانب ان کی ہجرت ہوئی، تاکہ وہ آخر میں پھر تشریف لاکر مسیح ہدایت و مسیح ضلالت کے فرق کو قائم کر دیں۔ عجیب بات ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی زندگی اور حالات میں، جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات و احوال سے بڑی مشابہت ہے، وہ قرب عہد جو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے تا اینکہ دونوں حضرات کے درمیان کوئی پیغمبر بھی نہیں، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد، متصلاً، آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی پیغمبر کی حیثیت سے تشریف لائے مقتضی بھی اسی کا تھا کہ ان دونوں اولوالعزم پیغمبروں کے درمیان حالات کی بھی ایسی ہی یکسانیت و یگانگت ہو، چنانچہ جس طرح آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قوم نے آپ کی تکذیب و تردید کے بعد آپ کی جان ہی لینے کی ٹھان لی، اور پھر خدا تعالیٰ نے آپ کو نرغۂ اعداء سے بالکل محفوظ نکال کر مدینہ منورہ پہونچا دیا، حالانکہ تمام دشمن آپ کے کاشانۂ اقدس کو گھیرے ہوئے تھے لیکن قدرتی حفاظت، ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر آپ کو صاف نکال کرلے گئی، ٹھیک اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام دشمنوں کے محاصرہ سے اُن کی دیکھتی آنکھوں جان کی مکمل سلامتی کے ساتھ محفوظ طور پر نکال لئے گئے۔ پھر جس طرح آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خاص اپنے نیزہ سے، اپنی امت کے قائد ضلالت عتبہ بن خلف کو جہنم رسید کیا، بالکل اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آخر وقت میں اپنی امت کے مسیح ضلالت دجال کو، آتش جہنم کا لقمہ بنائیں گے۔ اور پھر جس طرح آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کے بعد، از سر نو مکہ معظمہ پر اقتدار کامل عنایت کیا گیا، بالکل اسی انداز میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ٹھیک اسی سرزمین پر اقتدار اعلیٰ کا پھریرا اُڑاتے ہوئے تشریف لائیں گے جہاں سے آپ نے ہجرت فرمائی تھی اور جس زمین پر آپ کی جان پاک لینے کے ظالمانہ و سفاکانہ منصوبے باندھے گئے تھے، یعنی شام کی زمین، اور اس طرح، بیت المقدس، شام، دمشق کے پرانے علاقے پر، یہودیوں کے علی الرغم آپ کا تسلّط قائم ہوگا۔ (۳) کسی پیغمبر و نبی کی حیات و موت کے بارہ میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ تمام انبیاء کی وفات ہمیشہ سے قوموں کے درمیان ایک مسلّم امر رہی۔ لیکن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس باب میں بالکل منفرد ہیں، آپ کی موت و حیات کا مسئلہ قوموں کے مابین ایک زبردست اختلاف کا موجب ہے، یہود آپکو اپنے ہاتھوں پھانسی دینے اور مار ڈالنے کے مدعی، نصاریٰ بھی آپ کے مصلوب ہونے کے معتقد ہیں مگر ان کے خیال میں وجہ یہ نہیں کہ آپ مسیح ضلالت تھے جیسا کہ یہود کہتے ہیں، بلکہ اسلئے کہ آپ غفار خدا کے (العیاذ باللہ) بیٹے تھے (بقیہ بر صد ٦٥)

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان (مسلم ہونے میں) برابر ہے یہ کہ بجز اللہ تعالےٰ

نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا

کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو

(بقیہ حاشیہ ص ۶۴) :-

انسانوں کے مسلسل گناہوں پر رحم پسند باپ (اللہ) کے رحیم (بیٹے) عیسیٰ نے اپنی جان دے کر ہمیشہ کے لئے انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا، قرآن مجید نازل ہوا تو اس نے ان قوموں کے علی الرغم ایک حقیقت پیش کی اور وہ تھی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور دنیا میں دوبارہ آپ کا نزول، یہود و نصاریٰ نے اس سچائی کی تکذیب کی، ضروری ہے کہ اسلام اور قرآن مجید کے ان صادق اور سچے دعوؤں کی شہادت کیلئے آخر دور عالم میں جو کہ کشف حقائق کی بہترین ساعت ہوگی، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام خود اس دنیا میں تشریف لاکر اپنی موت و حیات کے بارے میں آخری فیصلہ کر دیں۔" وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم" کی ایک مکمل تفسیر سامنے آجائے ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور رفع نزول سے متعلق اکثر مباحث سیدنا الامام مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت اہم تالیف "عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام" سے اخذ کئے، جو آپ نے قادیانیوں کی ہفوات کے جواب میں تصنیف فرمائی تھی، صرف نزول عیسیٰؑ کی حکمتوں پر جو کچھ لکھا گیا وہ خاکسار مترجم کے ابھی ابھی ذہن میں وارد ہوا، فالحمد للہ علی انعامہ وفیضانہ۔ اس طویل ترین حاشیہ سے مقصود، فرقہ قادیان کی اس کافرانہ سازش کی پردہ دری تھی جو اسلام سے منحرف یہ طبقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا اعلان کرکے، اپنی کھلی گمراہی کا ثبوت دے رہا ہے، اور ان روشن خیال علماء کی بھی جو کہ حقائق ہیں، ایک نئی گفتگو، اپنے علم، اجتہاد، روشن خیالی کے ثبوت کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، قرآن مجید نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ آپ کے متبعین، آپ کے منکرین پر قیامت تک غالب رہیں گے، گویا کہ یہ بھی حفاظت جان ہی کے سلسلہ کی بشارت کی ایک کڑی ہے کہ اے عیسیٰ تم تو سمجھتے ہو کہ اس وقت قطعاً مغلوب ہو اور یہ یہودی تم پر بالکل غالب، حالانکہ ایسا نہیں، آپؑ کی مغلوبیت کا کیا سوال، آپ تو بہت اعلیٰ و ارفع ہیں ہم تو آپ کے ماننے والوں کو بھی کبھی مغلوب نہ ہونے دیں گے۔ تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ" الذین کفروا" سے یہاں یہود مراد ہیں اور" الذین اتبعوک" سے مسلمان اور نصاریٰ دونوں مراد ہیں۔ چنانچہ معالم التنزیل میں ہے کہ" ھم اھل الاسلام والنصاریٰ" یہ غلبہ، دلائل کے اعتبار سے تو دونوں قوموں یعنی مسلمانوں اور نصاریٰ کو یہود پر رہے گا، لیکن اگر دنیاوی شوکت و اقتدار بھی مراد لیا جائے تو یہ بھی کبھی حاصل ہوگا۔ چنانچہ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ" المراد من ھذہ الفوقیۃ فوقیۃ بالحجۃ والدلیل وبالقھر والسلطان والاستعلاء" قرآن مجید نے، سیدنا عیسیٰؑ کو، حضرت آدم علیہ السلام سے تشبیہ دیکر انکی عجوبہ زا ولادت کے اس پہلو کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جو کہ نصاریٰ کی گمراہی کا سبب بنی ہوئی تھی کہ وہ قادر علی الاطلاق، جس نے آدم علیہ السلام کو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کر دیا جیسا کہ اے نصاریٰ تم کو بھی اس کا اعتراف ہے پھر اسکے لئے کیا دشوار ہے کہ وہ ایک اور پیغمبر کو، صرف باپ ہی کے بغیر پیدا فرمائے۔ آخر میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ بتا کر کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ آپ کو بتایا گیا یہ ایک ایسی سچائی اور صداقت ہے جس کی جانب آپ پوری دنیا کو دعوت دیجئے، اگر دنیا اسکو تسلیم کرے تو فبہا، ورنہ ایک سچے انسان کے لئے ہم ایک دوسری راہ کھول دیتے ہیں، وہ مباہلہ کی راہ ہے، جس پر ایک غلط گو اور ایک صادق اللہجہ انسان کی واضح طور پر تفریق ہو جائے گی، چنانچہ وفد نجران کا مباہلہ سے فرار اور آنحضور صلے اللہ خود کو پیش کرنا، مباہلہ کی تاریخ میں ایک اس مقصد کی صحیح دریافت

۴ سے جو اس طرح کے مراحل پر ہمیشہ نظر ہوتے ہیں ۱۲ (مترجم)

أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ

رب نہ قرار دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر اگر وہ لوگ (حق سے) اعراض کریں تو تم لوگ کہدو کہ تم (ہمارے) اس (اقرار) کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَاةُ

اے اہل کتاب کیوں حجت کرتے ہو (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات، اور

وَالْإِنجِيلُ إِلَّا مِن بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ

انجیل مگر ان کے (زمانہ کے بہت) بعد کیا پھر سمجھتے نہیں ہو ہاں تم ایسے ہو کہ ایسی بات میں تو حجت

حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم

کر ہی چکے تھے جس سے تم کو کسی قدر تو واقفیت تھی سو ایسی بات میں کیوں حجت کرتے ہو جس سے تم کو اصلا واقفیت

بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا

نہیں اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور

وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

نہ نصرانی تھے لیکن (البتہ) طریق مستقیم والے (یعنی) صاحب اسلام تھے اور مشرکین میں سے (بھی) نہ تھے

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ

بلاشبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے (حضرت) ابراہیمؑ کے ساتھ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی (صلعم) ہیں

وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ وَدَّت طَّائِفَةٌ

اور یہ ایمان والے اور اللہ تعالیٰ حامی ہیں ایمان والوں کے دل سے چاہتے ہیں بعضے لوگ

مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّونَكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا

اہل کتاب میں سے اس امر کو کہ تم کو (دین حق سے) گمراہ کر دیں اور وہ کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے مگر خود اپنے آپ کو اور اس کی

يَشْعُرُونَ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنتُمْ

اطلاع نہیں رکھتے اے اہل کتاب کیوں کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ حالاں کہ تم اقرار

تَشْهَدُونَ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ

کرتے ہو اے اہل کتاب کیوں مخلوط کرتے ہو واقعی (مضمون یعنی نبوت محمدیہ) کو غیر واقعی سے اور

تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ع

چھپاتے ہو واقعی بات کو حالاں کہ تم جانتے ہو ۞ ۞ ۞

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہلِ کتاب ایک ایسی بات پر ہمارے ساتھ اتفاق کرلو جو ہم میں، تم میں مشترک ہے وہ بات یہ ہے کہ ہم اور تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیرائیں، اور ہم میں سے کسی کو اللہ کے علاوہ پروردگار نہ ٹھیرائے، اور اگر اس کے باوجود اہلِ کتاب اِس حقیقۃ ثابتہ سے بھی روگردانی کریں تو تم لوگ کہدو کہ گواہ رہنا ہم تو فرمانبردار ہیں، اے اہلِ کتاب تم ابراہیم کے بارہ میں کیوں جھگڑتے ہو، درآنحالیکہ توراۃ اور انجیل تو اُن کے بعد ہی اُتری ہیں، تو تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے ہاں تم لوگ وہ ہی تو ہو، جو ایسے معاملہ میں بھی جھگڑا کر چکے ہیں جس کا تم کو کچھ تو علم تھا۔ سو اب ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو، جس کا تم کو کچھ بھی علم نہیں اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی، بلکہ راہِ راست والے مسلمان تھے، اور مشرکوں میں سے بھی نہیں تھے، بے شک ابراہیم سے سب سے قریب لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے اُن کی پیروی کی تھی اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اُن پر ایمان لائے، اور اللہ ایمان داروں کا حامی ہے، اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ کو تو یہی پسند ہے کہ تم کو گمراہ کر کے رہیں حالانکہ وہ بجز اپنے کسی اور کو گمراہ نہیں کرتے اور اس کی بھی خبر نہیں رکھتے۔ اے اہلِ کتاب تم اللہ کی آیتوں سے کیوں انکار کئے جاتے ہو، حالانکہ تم گواہ ہو۔ اے اہلِ کتاب تم حق کی تلبیس، باطل کے ساتھ کئے جاتے ہو، اور حق کو چھپا جاتے ہو، حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ حق وہی ہوتا ہے جس کو تم چھپاتے ہو۔

دعوتِ توحید و اسلام

اِن آیات میں، یہود و نصاریٰ یا پھر وفد نجران کو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ایک ایسی حقیقت پر متفق ہونے کی دعوت دی جارہی ہے جو تمام گمراہیوں کے باوجود اہلِ کتاب میں کسی حیثیت سے مسلم تھی، جسکو وہ اپنی آسمانی کتابوں کی رُو سے تسلیم کرلیتے اور خود قرآن مجید بھی جس کا داعی بنکر، کائنات کے سامنے آیا تھا، وہ حقیقت یہ تھی کہ خدا تعالےٰ کو ایک مانا جائے اور اُس کی معبودیت و الوہیت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے عزیر کو ابن اللہ نہ کہا جائے اور ایسے ہی عیسٰی بن مریم کو تین خداؤں میں سے ایک خدا یا مستقل خدا نہ سمجھا جائے، کیوں کہ عزیر ہوں یا مسیح، وہ عام انسانوں کی طرح انسان ہیں، اور نبوت و پیغمبری کے سوا عام انسان سے ان کا کوئی امتیاز بھی نہیں، اِس عقیدہ پر اتفاق کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا، کہ یہود و نصاریٰ کو اشیاء کی حلت و حرمت کے سلسلہ میں صرف خدا تعالےٰ کے فیصلوں کا پابند ہونا پڑتا، ان کے اسقفوں اور فقیہوں نے، از خود، بعض چیزوں کو حرام اور بعض کو حلال قرار دے لیا تھا، اِس خود تراشیدہ شریعت سے بالکل براءت کرنا ہوتی۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہ آیات جب نازل ہوئیں اور رسول اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے عام صحابہؓ نے وہ مطالب سُنے جو مذکورہ بالا سطور میں آپ کے سامنے پیش کئے گئے تو حضرت عدی بن حاتم نے ایک دن آپؐ سے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! یہ تو کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ ہم لوگوں پر یہ الزام بھی لگایا جائے کہ ہم اپنے فقیہوں کی بھی عبادت کرتے تھے، ہم نے تو کبھی اُن کی عبادت و پرستش نہیں کی" اِس پر آپؐ نے دریافت فرمایا کہ "عدی بتاؤ، کیا ایسا نہیں ہوا کہ تم چیزوں کو حرام و حلال کہنے میں بالکل انھیں کی بات مانتے تھے؟" عدی نے عرض کی کہ یارسول اللہ یہ تو آپ بے شک بالکل صحیح فرما رہے ہیں کہ ہم اُنھیں چیزوں کو حلال کہتے، جس کو وہ حلال کہتے

اور حرام کا مدار بھی ان کی ہی رائے تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ عدیؓ ان آیات میں یہی مراد ہے، خود ساختہ شریعت تراش کر تمہارے ہاتھوں میں دے دیا کرتے تھے۔

اور اگر اس دعوتِ توحید پر یہ لوگ قبول کرنے کے بجائے، اعراض کریں، تو آپ اُن سے مزید کج وکاؤ نہ کریں کہ مناظرہ بازی سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، بلکہ آپؐ اور تمام مُسلمان صاف طور پر اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے کہہ دیں کہ دلائل کی قوت کا جہاں تک تعلق ہے ہم تم پر غالب رہے اِسلئے اَب تمہارا اپنے متعلق یہ دعویٰ کہ ہم مسلمان ہیں قطعاً غلط ہے بلکہ تم کو ماننا پڑے گا کہ اِس کائنات میں اگر کوئی صحیح معنی میں مسلمان ہے تو وہ صرف ہم ہی ہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی لڑائی میں غالب آجائے تو وہ مغلوب سے کہے کہ لو اب تو تسلیم کرو کہ غالب میں ہی رہا نہ کہ تم۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ہرگز یہ مطلب نہ لیا جائے کہ ان کم بخت اہلِ کتاب سے، اپنے اسلام پر شہادت کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے۔

اہلِ کتاب کا ایک اور غلط دعویٰ اور اُس کی مُدلّل تردید:-

اہلِ کتاب کہتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی یہودی تھے، اور نصاریٰ کا اصرار کہ وہ نصرانی تھے، اِس طرح اہلِ کتاب اپنے اپنے عقائد کی صحت و درستگی کے لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نام استعمال کرتے، ان کے اس غلط در غلط دعویٰ پر قرآن مجید میں یہ آیات نازل ہوئیں کہ یہودیت کا مأخذ، توراۃ ہے اور نصرانیت کی بُنیاد، انجیل پر ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں کتابیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئیں، پھر سوچنے کی بات ہے، کہ یہودیت و نصرانیت کے سرچشمے یعنی توراۃ و انجیل ابھی نازل بھی نہیں ہوئیں اور ان احمقوں کے کہنے کے مطابق، ابراہیم صدیوں قبل ہی یہودی یا نصرانی تھے۔ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے درمیان ایک ہزار سال کا طویل فاصلہ ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان تو دو ہزار سال کا لمبا عرصہ حائل ہے۔ تو یہودیت جو ایک ہزار سال کے بعد جنم لیتی ہے اور نصرانیت جس کے وجود میں بھی دو ہزار سال کا وقفہ حائل تھا لیکن ابراہیم پھر بھی یہودی یا نصرانی تھے، نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔ کم از کم ان اہلِ کتاب کو اتنی سامنے کی بات تو سُوجھنا چاہئے تھی، مگر عقل و دانش سے بیگانے، اپنی جنوں پیشگی کا کیا ثبوت دیتے ہیں، ان ظالموں نے پہلے تو بعض ایسے مسائل میں مُسلمانوں سے گفتگو کی جن سے ان کو فی الجملہ واقفیت تھی، لیکن اب ایک مسئلہ پر گفتگو کے لئے پر تول رہے ہیں جس سے ان کو کوئی بھی واقفیت نہیں، توراۃ و انجیل میں، مذکور مسائل میں گفتگو چلو کسی حد تک معقول بھی ہوسکتی ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام کی یہودیت و نصرانیت کا مسئلہ جس سے ان کی مذہبی کتابیں بالکل خاموش ہیں ان معاملات میں پھر گفتگو کیا نری حماقت نہ ہوگی۔ "ھا انتم" میں ھاءِ تنبیہ کے لئے ہے، انتم مبتدا ہے اور "ھؤلاء" یہ اس کی خبر ہے۔ "حاججتم" اگرچہ جملہ مستانفہ ہے لیکن اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے اپنے سے پہلے جملہ ہی کی وضاحت کرتا ہے ان حقائق کو تو خدا تعالےٰ ہی بہتر طور پر جانتا ہے، یہ یہود و نصاریٰ کیا جانیں، لیکن پھر بھی ان کو اپنی غلط باتوں پر اس درجہ اصرار ہے پھر خدا تعالےٰ، خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں ایک حقیقت کا اظہار فرما رہے ہیں کہ یاد رکھو کہ ابراہیمؑ نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ وہ ایک مخلص، فداکار، اور حق پرست، سیدھے، سچے، اور پکے مُسلمان تھے وہ مشرک بھی نہ تھے، جیسا کہ تم شرک میں مبتلا ہو کہ ایک فرقہ تم میں سے، عزیر کو ابن اللہ کہہ رہا ہے، اور دوسرا گروہ عیسیٰ کی ربوبیت کے نعرے لگا رہا ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ابراہیمؑ یہودی و نصرانی نہیں تھے ٹھیک اسی طرح وہ مشرک بھی نہ تھے، اِس طرح یہ آخری جملہ، گویا کہ ان مشرکین کی تردید میں جائیگا جو یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح اپنے شرک کا رشتہ، معاذ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے

جوڑتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ابراہیمؑ کا واقعۃً پیرو وہ ہے جس نے خود ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں اُن کی مکمل اتباع کی اُن کا دین اختیار کیا، اُن کی بات مانی، اور صداقت کو اپنا مذہب قرار دیا، جس کے داعی اور منادا ابراہیمؑ تھے، اگر ابراہیمؑ کی اتباع کا یہی معیار ہے اور یقیناً یہی ہے تو بھی انکے سب سے بڑے متبع یہ نبی آخرالزماں محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جو کہ ابراہیمؑ کے نقشِ قدم سے سرِ مُو انحراف نہیں کرتے، اور مسلمان ہیں جنہوں نے ان پیغمبرؑ کے ذریعہ، ملت ابراہیمی کو اپنا مذہب و دین بنایا۔ اور تم جانتے ہو کہ خدا تعالےٰ مومنین کا حامی و ناصر ہے اس لئے تمہاری وہ مخالفانہ کوششیں جو تم اِن نبی اور اُن کے پیروکاروں کے خلاف کر رہے ہو، ذرا بھی کارآمد نہوں گی۔

بے ارادے فرماتے ہیں کہ یہود کی ایک جماعت وہ ہے جو بجائے دین ابراہیمی کو آپؐ سے سیکھنے کے، درآنحالیکہ آپؐ ہی اس کے سب سے بڑے شارح اور ترجمان ہیں، چاہتے ہیں کہ آپؐ کے متبعین کو راہ راست سے ہٹا دیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ چند یہودی تھے جنہوں نے حضرت حذیفہؓ، عمارؓ، اور حضرت معاذ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو، دعوت دی تھی کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر یہودیت کو اختیار کرلیں، حالانکہ ان کی اس روش کا نقصان خود انھیں کو اٹھانا پڑے گا، کیونکہ یہ خود گمراہ ہیں، اس کا تو انہیں عذاب ہی ہے، اس کا مزید عذاب ہوگا کہ یہ دوسروں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن حیرت ہے کہ ان کو اس کا احساس تک نہیں اور انہوں نے اپنے نفع و نقصان سے کس طرح آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اے اہل کتاب تم خوب جانتے ہو کہ تورات و انجیل میں بار بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی اطلاع دی گئی، آپ کی علامات بوضاحت بیان کی گئیں اور تم نے اُن کو پہچان بھی لیا کہ یہی نبی آخرالزمان ہیں، پھر اُن کی رسالت اور پیغمبری کا انکار کر کے کیا تم خود اپنی مذہبی کتابوں کی صریح تکذیب نہیں کر رہے ہو؟ تم نے حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی نبوتوں کو تو تسلیم کیا، لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ تم حق اور باطل میں تلبیس کر رہے ہو، تم اپنے مذہبی نوشتوں کے اُن واضح بیانات کو صاف چھپاتے ہو جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق تمہارے یہاں موجود ہیں، جس وقت تم یہ جرم کرتے ہو تمہارا ضمیر بھی اس وقت اس کی شہادت دیتا ہے کہ تم حق کو، حق سمجھ کر چھپا رہے ہو۔[۵]

---

[۵] آیات میں، یہود و نصاریٰ کو ایک حکم جامع کی جانب دعوت دی گئی ہے کہ کم از کم تم مسلمانوں کے ساتھ ایک ایسی بنیاد پر تو اتفاق کرلو، جو تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان قدرِ مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو ایک ماننا اور اس کے ساتھ کسی کو، الوہیت میں شریک نہ کرنا، تورات نے تو جس شد و مد کے ساتھ شرک پرستی پر تنقید کی ہے وہ تو اہل نظر جانتے ہیں۔ لیکن انجیل بھی بت پرستی، شرک پرستی، اور منافی توحید اعمال کی روک تھام پر زجر و توبیخ کے مضامین سے خالی نہیں، چنانچہ انجیل متی ۱۴-۱۰ میں آج بھی یہ الفاظ موجود ہیں، کہ:

"تو خدا وند خدا کو سجدہ کر اور صرف اُسی کی عبادت کر" لیکن حیرت ہے کہ اس شدت کے باوجود تورات اور انجیل کے ان فرزندوں نے خدا تعالےٰ کے مقدس پیغمبروں ہی کو خدا بنا بٹھایا" ارباباً من دون اللہ" میں" دون" غیر اور علاوہ کے معنی میں ہے۔ قرطبی میں ہے" دون بمعنی غیر ھھنا" یہود و نصاریٰ نے جس طرح ایک نہیں سینکڑوں کی الوہیت و ربوبیت کا اعلان کیا ہے آیت میں تردید سب ہی کی آگئی۔

انہیں آیات کے تحت مفسر قرطبی نے، روافض وغیرہ پر بھی نقد کی ہے کہ وہ بھی اپنے ائمہ کے اقوال کو بالکل اس طرح ارکان خطاء سے محفوظ مانتے ہیں جیسا کہ وہ خدا تعالےٰ ہی کی باتیں ہوں، لکھا ہے کہ" ھذا ابدل علی بطلان القول بالاستحسان المجرد الذی لا یستند الی دلیل شرعی وفیہ رد علی الروافض الذین یقولون یجب قبول قول الامام دون ابانتہ مستند شرعی و

(بقیہ بر صفحہ ۷۰)

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ

اور بعضے لوگوں نے اہل کتاب میں سے کہا کہ ایمان لے آؤ اس پر جو نازل کیا گیا ہے مسلمانوں پر

اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا

(یعنی قرآن پر) شروع دن میں اور (پھر) انکار کر بیٹھو آخر دن میں (یعنی شام کو) عجب کیا وہ پھر جاویں اور (صدق دل سے) کسی کے

تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ

روبرو اقرار مت کرنا مگر ایسے شخص کے روبرو جو تمہارے دین کا پیرو ہو۔ اے محمد آپ کہدیجئے کہ یقیناً ہدایت ہدایت اللہ کی ہے ایسی باتیں اسلئے کرتے ہو

مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ

کہ کسی اور بھی ایسی چیز مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی یا وہ لوگ تم پر غالب آجاویں تمہارے رب کے نزدیک (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ بیشک فضل

یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ

تو خدا کے قبضہ میں ہے وہ اُسکو جسے چاہیں عطا فرادیں اور اللہ بڑی وسعت والے ہیں خوب جاننے والے ہیں خاص کر دیتے ہیں اپنی رحمت (وفضل) کے ساتھ جس کو چاہیں

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ

اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والے ہیں اور اہل کتاب میں سے بعض شخص ایسا ہے کہ (اے مخاطب) اگر تم اس کے پاس انبار کا انبار

بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ

مال بھی امانت رکھدو تو وہ مانگنے کے ساتھ ہی، اسکو تمہارے پاس لا رکھے اور انہی میں سے بعض وہ شخص ہے کہ اگر تم اسکے پاس ایک دینار بھی امانت رکھدو تو وہ

اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ

بھی تم کو ادا نہ کرے مگر جب تک کہ تم اُسکے سر پر کھڑے رہو۔ یہ (امانت کا ادا نہ کرنا) اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمپر غیر اہل کتاب کے (مال کے) بارہ میں کسی قسم کا

سَبِیْلٌ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى

الزام نہیں اور وہ اللہ تعالےٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور (دل میں) وہ بھی جانتے ہیں (کہ خائن پر) الزام کیوں نہ ہوگا۔۔ جو شخص

(بقیہ حاشیہ ص۶۹) انہ یحل ما حرم اللہ من غیر ان یبین مستنداً من الشریعۃ " سیدنا ابراہیم کے متعلق لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ نجران نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ہی میں یہ بحث اُٹھائی تھی کہ ابراہیم یہودی تھے یا نصرانی تھے۔ قرآن مجید نے ان سب کے خیالات کی تردید فرما کر ارشاد فرمایا کہ اصل ملت ابراہیمی کے وارث یہ نبی اور ان کے پیروکار ہیں، اس ذیل میں ان تمام گوشوں کو واضح کیا گیا جس سے یہ تردید، مکمل اور مضبوط ہو۔ —————— (مترجم) ——————

مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

اپنے عہد کو پورا کرے اور اللہ تعالےٰ سے ڈرے تو بیشک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں ایسے متقیوں کو ۔

اور اہلِ کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ان مسلمانوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے اُس پر صبح تو ایمان لاؤ اور شام ہوتے ہوتے انکار کردو۔ کیا تعجب ہے کہ ہماری اِس روش سے شک و شبہ میں پڑ کر، وہ خود بھی اپنے قرآن کا انکار کر بیٹھیں اور درحقیقت اِسکے علاوہ کسی اور پر ہرگز ایمان نہ لاؤ جو بس تمہارے دین کا پیرو ہو۔ آپؐ کہہ دیجئے، کہ ہدایت تو بس اللہ ہی کی ہدایت ہے، اور یہ سب اِس غصہ میں کر رہے ہو کہ کسی اور کو وہ چیز مل گئی جو تم کو ملی تھی، یا وہ لوگ تم پر تمہارے پروردگار کے یہاں غالب آجائیں۔ آپؐ کہدیجئے کہ فضل اللہ تعالےٰ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عطا کرتا ہے، اور اللہ بڑا وسعت والا ہے، بڑا علم والا ہے، وہ جسے چاہے رحمت کے ساتھ خاص کرلیتا ہے، اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے، اور اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تو اس کے پاس ڈھیر کا ڈھیر امانت رکھادے تو وہ بھی تجھے ادا کردے، اور اُن میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھادے، تو وہ تجھے اُس کو بھی واپس نہ کرے بجز اِسکے کہ تو اس پر مسلّط رہے، یہ اسلئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اُوپر اُمیوں کے بارے میں کوئی ذمہ داری ہی نہیں۔ یہ لوگ خُدا کے اوپر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور یہ بھی خوب اسکو جانتے ہیں کہ ان کی ساری کارروائی جھوٹ کا ایک پلندہ ہے) کیوں نہیں جو شخص بھی اپنے عہد کو پورا کرے، اور اللہ سے ڈرے تو بے شک اللہ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ایک اور سازش

اہلِ کتاب نے اسلام کے خلاف ایک سازش تیار کی جس کا تانا بانا اِس طرح بنایا گیا کہ چند آدمی جو خوب معتمد ہوں، تیار کئے جائیں تاکہ وہ صبح کے وقت پورے اظہارِ اخلاص کے ساتھ محمدؐ پر اور اُن کے دین پر ایمان لے آئیں، اور اپنی کسی ادا سے بھی مسلمانوں کو شبہ نہ ہونے دیں کہ ان کا اِسلام کسی سازش کا نتیجہ ہے، اور شام ہوتے ہوتے، اِس مذہب کو چھوڑ دیں، اور اس میں ہزار ہا عیب ڈال کر، باہر آجائیں، کیوں کہ ہماری حیثیت، علمی اور واقفکارانہ پہلوؤں سے سب کے درمیان تسلیم شدہ ہے تو خود مسلمانوں میں کھلبلی مچ جائے گی کہ یہ کیا ہو رہا ہے، یقیناً خود اسلام میں کوئی بڑی خامی ہے جب ہی تو یہ لوگ باخلاص ایمان لاتے ہیں اور پوری کراہیت کے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، نتیجۃً بہت سے مسلمان اگر یہ سازش کامیاب ہو، تو اسلام سے باہر نکل آئیں گے، اور اپنے ان آدمیوں کو جو اس سازش کے تحت اسلام میں داخل ہوں ٹھونک بجا کر اُن کو یہ سمجھا دو، کہ دیکھو اپنے دین پر خوب مستحکم رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اسلام میں داخل ہو کر پھسل جاؤ، یاد رکھو، ارادہ یہ رکھنا ہے کہ بات اِسلام کی ہو یا کوئی اور مذہب بس صرف اتنی ہی مانیں گے جو ہمارے دین کی ہو۔ خدا تعالیٰ اہلِ کتاب کی اس سازش پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس طرح کے سازشانہ منصوبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے تحت الشعور کا خیال یہ ہے کہ ہدایت تمہاری خود اختیاری چیز ہے، بیشتر یہی تو خیالِ خام ہے، خوب سمجھ لو، کہ ہدایت محض من جانب اللہ ہے اس میں کسی بھی طاقت کی ادنیٰ درجہ میں بھی شرکت نہیں۔

اِس سازش میں حصہ لینے والوں کو منصوبہ تیار کرنے والوں کی جانب سے یہ بھی ہدایت کی جاتی کہ دیکھو یہ ہرگز کبھی کسی سے نہ کہنا کہ مسلمانوں پر وحی اور نبوت و رسالت کے پیغامات اسی طرح آتے ہیں جیسا کہ ہم اہلِ کتاب پر۔ یہ اسلئے کہ اگر تم نے مسلمانوں کے

سامنے اِس بات کا اظہار کیا تو وہ اپنے دین کو سچّا اور صحیح سمجھ کر اس پر جم جائیں گے، اور اگر کفار کے روبرو تم نے یہ خیالات رکھے تو وہ اسلام کو "دینِ برحق" جانکر اُس کی طرف متوجہ ہوں گے، اِسلئے بہتر یہی ہے کہ تم اسلام کے متعلق کوئی اِس طرح کی بات ہی ہرگز نہ کرنا جس سے اس دین کی حقانیت وصداقت کا تمہاری طرف سے کوئی اعتراف ہو۔ کہتے کہ اسلام کے متعلق کبھی اچھے خیال کے اظہار سے ایک تو دنیا میں ہی نقصان پہونچے گا اور خود آخرت میں بھی ضرر پہونچانے کا قوی اندیشہ ہے، وہ یہ کہ مُسلمان خُدا تعالےٰ کے روبرو، ہم پر الزام عائد کریں گے کہ یہ اہلِ کتاب جیسا کہ ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا اسلام کی حقانیت کے قائل تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا۔ خدا تعالےٰ ان کے تمام خیالات و منصوبوں کے جواب میں فرما رہے ہیں کہ اے "محمّد" آپ ان سے کہہ دیجئے کہ فضل و رحمت، خدا تعالےٰ کے ہاتھ اور قدرت میں ہے، وہ جسے چاہے دے کیوں کہ خدا تعالےٰ بہت ہی وسیع رحمت کے مالک، اور دینے کی مصالح کے بخوبی جاننے والے ہیں، اِسلئے تمہاری اِن سازشوں سے کچھ نہیں ہوتا، جن کی تقدیر میں اسلام کی دولت لکھی ہوئی ہے وہ ضرور اس سعادت کو حاصل کریں گے، اور محروم القسمت، تہی دامن رہیں گے، اُن کے حق میں، اسلام خلاف سازشیں، برابر ہیں۔

لیکن بعض مفسّرین نے ان آیات کی ایک اور بھی تفسیر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اہلِ کتاب جو اس طرح کے منصوبے اِسلام کے خلاف تیار کرتے ہیں ان کو سارا بغض وعناد یہ ہے کہ وحیٔ و رسالت، نبوّت اور پیغمبری کا شرف عظیم، جو صدیوں سے ان کی نسل میں متواتر چلا آیا تھا، ان سے منتقل ہوکر "بنو اسمٰعیل" میں کیوں جا پہونچا؟ یہ حسد ہے جس کی وجہ سے یہ اسلام کے خلاف آئے دن اِس طرح کی سازشیں کرتے رہتے ہیں، ان کے جواب میں فرمایا گیا کہ تمہارے حسد، بغض اور اسلام خلاف منصوبوں سے کیا ہوتا ہے، نبوّت تو ایک رحمت ہے خدا تعالےٰ اپنے فضل سے جس خانوادہ، جس نسل اور جس مقدس اِنسان کو اس عظیم ترین امتیاز سے بہرہ ور فرمائے۔

اہلِ کتاب کی دیانت

ارشاد ہے کہ اہلِ کتاب میں سے بعض ایسے امانت پسند اور صداقت شعار ہیں کہ آپ اگر اُن کے پاس لاکھوں کی رقم، امانت کے طور پر رکھوا دیں اور پھر جب چاہیں اُن سے واپس مانگیں، وہ فوراً ادا کریں گے جیسا کہ خود عبداللہ بن سلام، کہ کسی قریشی نے ان کے پاس ایک خطیر رقم، امانۃً رکھی، اُس کے مطالبے پر حضرت نے بلا تاخیر پوری رقم لوٹا دی۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ اگر بڑی رقم تو کیا ایک معمولی سکّہ بھی اُن کے پاس رکھوا دیجئے، تو اس پر بھی اپنا ایمان ضائع کرلیں، اور مطالبہ کے وقت صاف انکار کر جائیں، مثلاً "فنحاص بن عاذوراء" کہ اس کے پاس کسی قریشی نے ایک اشرفی، امانتہً رکھوا دی تھی، جب مانگی تو فنحاص نے صاف انکار کر دیا۔

بعض مفسّرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیات میں جس فرقہ کی ادائیگی امانت کی تعریف کی گئی وہ نصاریٰ ہیں کیوں کہ اُن میں، ادائیگی امانت کا جذبہ غالب ہے، اور جس جماعت کی خیانت کی مذمت کی گئی وہ یہود ہیں، اُن میں قومی حیثیت سے خیانت عام ہے، یہ اِس درجہ خائن ہیں کہ اگر صاحبِ حق اُن کے سر پر ہی سوار ہو جائے تو شاید اس سے اپنی چیز وصول کرلے، بسہولت یہ دیدیں قطعاً ناممکن ہے۔ ارشاد ہے کہ خیانت کے بارہ میں جو ان کا معاملہ حد سے تجاوز کر گیا اس کی وجہ بھی سُننے کے قابل ہے، یہ ظالم کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ اور اُن کی اُمت کے باب میں، ہمیں اپنی مذہبی کتابوں میں یہی ہدایت ملی ہے کہ ہم جتنا چاہیں اُن کو نقصان پہونچائیں، مالی بھی اور دینی بھی، یہ کوئی گناہ تو کیا ہوتا، بلکہ ان بددینوں (مُسلمانوں) کے ساتھ اِس طرح کی روش پر ثواب ملے گا۔ مفسّرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ کسی مُسلمان نے، یہودی سے کوئی خرید و فروخت کا معاملہ کیا، جس کی قیمت،

یہودی پر واجب تھی، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ شخص اسلام لے آیا۔ اور اسلام کے بعد غریب نے اس یہودی سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو یہودی نے صاف انکار کردیا اور لوگوں کی طعن وتشنیع پر بولا کہ واہ یہ میں نے ظلم تھوڑی کیا، ہماری مذہبی کتابوں نے خود ہمکو تلقین کی ہے کہ ہم مسلمانوں کو جانی و مالی نقصان پہونچائیں۔

ذرا ظالم سوچیں تو سہی کہ یہ اللہ پر کتنا بڑا افترا ہے، کہ خدا تعالےٰ نے اُن کو اس طرح کی باتوں کا حکم دیا، کم بخت خود بھی جانتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں پھر بھی کس بے باکی سے اس طرح کے جھوٹ بولتے رہتے ہیں۔ ارشاد ہے کہ یہ کہتے ہیں، کہ اہلِ کتاب کے معاملات میں ہم کچھ بھی کریں ہم سے کوئی مواخذہ اور محاسبہ نہوگا، کتنی غلط بات ہے، ہوگا ضرور ہوگا، ہمارے یہاں ہر جماعت و ہر فرد کی نصرت کا ایک معیار ہے، اور وہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے وعدوں کو پورا کرے اور نقض عہد سے بالکل بچے، تو وہ اہلِ تقویٰ میں سے ہے اور خدا تعالےٰ ایسے نیک نام، نیک نہاد، اور نیک چلن انسان کو پسند کرتا ہے اور اُن کی بھرپور نصرت کرتا ہے۔ تقویٰ میں اہلِ تفسیر نے ایمان اور عمل صالح کو داخل کیا ہے اور اسی طرح بدعملی اور کفر سے احتراز کو بھی تقویٰ ہی گردانا ہے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیات عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں، لیکن بہتر ہے کہ ان کو عام رکھا جائے کسی کے ساتھ خاص نہ کریں ع

ع ان آیات کا شانِ نزول جو کہ نے لکھا ہے کہ یہود نے سازش کی تھی کہ اسلام کو اختیار کرو اور پھر اس کو چھوڑ دو اس سے خود مسلمانوں کے قلب میں شاید اپنے دین کے بارہ میں شبہ پڑ جائے، اور وہ بھی اسلام کو چھوڑ بیٹھیں، تقریباً یہی پس منظر ان آیات کا علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اور ابن جبیر نے ذکر کیا ہے، اگرچہ ان تمام مفسرین نے روایات میں اس کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ یہودیوں نے اس سازش کے وقت میں اپنے خاص لوگوں کو مشورہ یہی دیا تھا کہ صبح ایمان لے آؤ، اور شام کو اسلام سے بیزاری کا اعلان کردو، اور خود خدا تعالےٰ نے بھی قرآن مجید میں اس کا تذکرہ کیا ہے، بہرحال مراد اس سے "قلیل وقت" ہے یعنی مختصر عرصہ کے لئے ایمان لاؤ، اور پھر انکار کردو، یہود نے اس طرح کی سازش بھی کی تھی۔ چنانچہ ابن جبیر نے مجاہد کی ایک روایت درج کی ہے کہ یہود نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی اور اسی دن شام تک اسلام کی مخالفت میں سرگرم ہوگئے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ واقعی اس دین میں کجی ہے ورنہ جہاں تک یہود کی انصاف پسندی کا تقاضہ ہے تو انہوں نے تو اسلام قبول ہی کرلیا تھا، الفاظ روایت کے یہ ہیں کہ "یہود صلت مع محمد صلوٰۃ الصبح وکفروا اخر النہار مکراً منھم لیراء الناس ان قد بدت لھم منہ الضلالۃ بعد ان کانوا اتبعوہ" ان آیات کو سمجھنے کے لئے وہ روایت بھی حافظہ میں تازہ کرلیجئے کہ "ہرقل بادشاہِ روم" نے ابوسفیان سے خاص طور پر دریافت کیا تھا کہ کیا ان نبوت کے دعویٰ کرنے والے صاحب پر کوئی ایمان لا کر پھر اس سے روگردانی تو نہیں کرتا، گویا کہ حق کو قبول کرنے کے بعد حق سے انحراف بغیر کسی معقول وجہ کے نہیں ہوسکتا، یہود اس فریب سے اسلام کے خلاف یہ خوفناک منصوبہ بنا رہے تھے، تاکہ واقعی لوگوں کے اسلام ایک مرتبہ ان کی روش سے تزلزل میں پڑ جائیں، ان آیات پر بظاہر یہ اشکال ضرور پیش آئے گا کہ بعض ایسے بھی تو انسان ہیں، اور خود آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے دور میں جنہوں نے اسلام اختیار کیا اور پھر مرتد ہوگئے تو کیا اُن کا ارتداد واقعی اسلام کے باطل ہونے کی علامت ہے؟ جواب اس کا یہی ہے کہ جن لوگوں نے ارتداد کیا، خوب ان کے حالات کی چھان بین کر کے دیکھ لیجئے وہی نکلیں گے جنہوں نے اسلام سے کچھ دنیاوی منفعتیں حاصل کرنا چاہی تھیں اور جب وہ حاصل نہوسکیں تو اُن کے لئے اسلام میں کوئی دلچسپی نہیں تھی، آج بھی جو مسلمان بدقسمتی سے "ترکِ دین" کرتے ہیں، یقیناً دنیا کو حاصل کرنے کا جذبہ ہی اُن کو اسلام سے علیحدہ کرتا ہے۔ یہود (بقیہ بر صفحہ)

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا

یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالےٰ سے (انہوں نے) کیا ہے اور (بمقابلہ) اپنی قسموں کے ان لوگوں کو کچھ حصہ

خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

آخرت میں (وہاں کی نعمت کا) نہ ملیگا اور نہ خدا تعالیٰ اُن سے (لطف کا) کلام فرماویں گے اور نہ اُن کی طرف (نظر محبت سے) دیکھیں گے قیامت کے روز

وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ

اور نہ ان کو پاک کریں گے　اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا　اور بیشک اُن میں سے بعضے ایسے ہیں کہ کج کرتے ہیں اپنی

أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ

زبانوں کو کتاب (پڑھنے) میں تاکہ تم لوگ اُس (ملائی ہوئی چیز) کو (بھی) کتاب کا جزو سمجھو حالاں کہ وہ کتاب کا جزو نہیں

وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ

اور کہتے ہیں کہ یہ (لفظ یا مطلب) خدا کے پاس سے ہے حالاں کہ وہ (کسی طرح) خدا تعالےٰ کے پاس سے نہیں　اور اللہ تعالےٰ پر

(بقیہ حاشیہ صـ۷۳) اسلام کے خلاف جو جذبہ رکھتے تھے علاوہ ان کی اس سازش کے جو قرآن حکیم نے ذکر کی ہے اور جس سے اُن کے مخالفانہ عزائم کا اظہار ہوتا ہے، قرآن مجید نے ان کے جو خیالات انہیں آیات میں ذکر کئے ہیں وہ بھی دیکھ لئے جائیں یعنی وہ اپنے لوگوں کو خاص طور پر اس کی ہدایت کرتے کہ سوائے اپنے کسی اور دین کی اتباع نہ کرو، نیز یہ کہ کسی کے سامنے یہ تک نہ کہو کہ ہماری آسمانی والہامی کتابوں سے عرب میں ایک نبی آخر الزماں کی بعثت کا یقین حاصل ہوتا ہے، سوچنا چاہئے کہ یہود و نصاریٰ نے آسمانی صحیفوں سے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشینگوئیوں کو کس طرح کھرچا ہوگا۔ اسکے بعد جو آیات آرہی ہیں یعنی " ومن اھل الکتاب من ان تامنہ بقنطار " اگرچہ عام مفسرین نے ان آیات کا شانِ نزول وہی ذکر کیا ہے جو خود صاحبِ مدارک نے بھی لکھا۔ لیکن خاکسار مترجم کا ذوق یہ کہتا ہے کہ ان آیات میں بتانا یہ بھی ہے کہ اہلِ کتاب میں سے تو بعض واقعی دیانت پسند ہیں جنہوں نے اپنی دیانت پسندی سے ان تمام پیشینگوئیوں کا بوضاحت اعلان کیا جو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق اُن کی آسمانی کتابوں میں موجود تھیں، اور کچھ وہ بھی خیانت پیشہ تھے جو ان تمام حقائق کو چھپانے کا بھرپور اہتمام کرتے، ان کی خیانت، دینی حقائق اور سچائیوں سے گذر کر دنیا میں بھی ایک ایک کوڑی کے بارہ میں، نمایاں ہوئی، اور معمولی مال و رقم پر وہ اپنی بے ایمانی کا شرمناک مظاہرہ کرتے۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہود صرف اپنے ہی دین کو حق سمجھتے، اور باقی تمام ادیان و مذاہب کو باطل گردان کر ان کے پیروؤں کو ہر طرح کا جانی و مالی نقصان پہونچانا، قطعاً کوئی جرم نہیں سمجھتے تھے، جیسا کہ خود قرآن مجید نے اُن کے خیالات نقل کرتے ہوئے بتایا کہ " بانھم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل " ان آیات میں خود ہم مسلمانوں کے لئے بھی زبردست وعید ہے جو کہ غیر مسلمین کے اموال کو دار الحرب میں غلط طریقوں پر ہڑپ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، اور لطف یہ ہے کہ دار الحرب کی تعریف بھی وہ کرتے ہیں جو خود ان کی دماغی پیداوار ہے جس کو فقہاء کی تصریحات سے کوئی تعلق نہیں، حالانکہ فقہاء کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اگر واقعی دار الحرب ہے تو اُس میں غیر مسلم سے اس طرح کے معاملات کرنے میں جو خود انکو منظور ہوں مثلاً ربوا کا معاملہ جو انکی اپنی رائے اور مضامندی سے ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن سراسر ان کو دھوکہ دیکر غبن و خیانت اور لوٹ کر کھانا اور دار الحرب کی من تاویل سے کام لینا اسلام نہیں ہے۔

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ

جھوٹ بولتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ اُس کو کتاب اور فہم اور

وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ

نبوت عطا فرما دیں پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر ولیکن کہے گا کہ

كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝

تم لوگ اللہ والے بن جاؤ بوجہ اس کے کہ تم کتاب سکھاتے ہو بوجہ اس کے کہ پڑھتے ہو اور نہ

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ

بات بتلاوے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب قرار دے لو کیا وہ تم کو کفر کی بات

بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

بتلاوے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔

ع ۸ ۱۶

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد اور اپنی قسموں کو معمولی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں یہی ہیں وہ لوگ جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور اللہ قیامت کے دن نہ اُن سے بات کریگا نہ اُن کی طرف دیکھے گا نہ اُنھیں پاک کریگا اور ان کے لئے تو دردناک عذاب ہے، اور انھیں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی زبانوں کو کتاب میں کج کرتے ہیں تاکہ تم اس جز کو بھی کتاب میں سے سمجھو درانحالیکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے درانحالیکہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں ہے، اور یہ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں درانحالیکہ خوب جانتے ہوتے ہیں۔ کسی انسان سے یہ ممکن نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب، حکمت، اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ تم، میرے بندے بنجاؤ، علاوہ اللہ کے، بلکہ وہ تو یہی کہیگا کہ اللہ والے بن جاؤ۔ یہ اسلئے اور بھی کہ تم پڑھاتے ہو کتاب آسمانی کو، اور خود بھی اسے پڑھتے ہو، اور نہ وہ تمہیں اِس کا حکم دیگا کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو پروردگار قرار دو، کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم اسلام لاچکے ہو۔

عہد شکنی، دین فروشی، آخرت سے محرومی کا باعث ہے

یہ آیات اُن یہودیوں کے سلسلہ میں نازل ہوئیں جنہوں نے توراۃ میں موجود آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت سے متعلق تمام پیشنگوئیوں کو یکسر بدل ڈالنے کا تہیہ کیا تھا اور اپنے اس بدترین اقدام کے لئے اِس طرح کے لوگوں سے روپے بھی لیتے جو اِس کے لئے ان سے کہتے۔ ارشاد ہوا کہ جو لوگ خدا تعالےٰ سے پہلے یہ عہد کر چکے تھے کہ ہم آخر الزماں نبیؐ پر ضرور ایمان لائیں گے، اور ضرورت کے وقت اُس کی امداد و نصرت ہمارا بہترین فریضہ ہوگا لیکن اب انہوں نے اپنے ان وعدوں کو معمولی دُنیاوی منافع کے لئے توڑ دیا، تو وہ سن لیں کہ اُن کا آخرت میں کوئی حصّہ نہیں، اللہ تعالےٰ قیامت میں اُن سے

ایسا کلام ہرگز نہ فرمائیں گے جو اُن کے لئے باعث مسرت و فخر ہو، اُن کی طرف نظر رحمت نہیں کی جائے گی، حشر میں اُن کی کوئی ایسی تعریف نہو گی جس سے یہ سرخرو ہو سکیں، بلکہ ان پر دردناک عذاب ہوگا۔ ان اہل کتاب میں سے یہ کعب بن اشرف، مالک بن صیف، اور حی بن اخطب بھی ہیں جو قرارت تورات کے وقت میں زبان کو کج کر لیتے ہیں تاکہ اسلام اور آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق کسی کو صحیح بات معلوم نہو سکے، بلکہ یہ صریح تحریف کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ایک معمولی تمع کے لئے، تورات میں موجودہ رجم کے حکم کو علانیہ بیان کرنے سے گریز کیا، اور اسی طرح انہوں نے اپنے مذہبی نوشتوں میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے احوال، صفات وغیرہ بالکل چھپالیں، اور اُن غلط چیزوں کو جو قطعاً اُن کی ایجاد کردہ ہیں، دھوکہ دیتے ہوئے لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ آسمانی احکام ہیں حالاں کہ، ان کو آسمانی احکام نامہ دینا بھی انہیں جیسے بدترین خلائق لوگوں کا کام ہے۔ یہ ظالم جان بوجھ کر کس طرح کہہ دیتے ہیں کہ یہ احکام اللہ تعالٰے کے ہیں حالاں کہ اُن کو خود اُن کا ضمیر ملامت کرتا ہے جبکہ یہ اس طرح کی خلاف واقعہ باتیں کرتے ہیں۔

آنے والی آیات کا شانِ نزول لکھتے ہوئے بعض مفسرین نے تو لکھا ہے کہ یہ آیات اُن عیسائیوں کی تردید میں نازل ہوئیں جو معاذ اللہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی خدائی کے قائل تھے، اور کچھ مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ آیات بعض اُن صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں نازل ہوئیں جنہوں نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ ہم آپ کو بالکل اسی طرح سلام وغیرہ کرتے ہیں جیسا کہ آپس میں کسی امتیاز کے بغیر اس طرح کے آداب و مراسم کے عادی ہیں، یارسول اللہ! یہ طرز تو کچھ آپ کے لئے مناسب معلوم نہیں ہوتا کیوں نہ ہم آپؐ کو سجدہ کریں، جس سے واقعی آپؐ کی عظمت کا صحیح احساس ہو۔ اس پر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے شدت سے منع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "یاد رکھو! سجدہ (عبادت ہو یا تعظیمی) صرف خدا تعالٰے ہی کو ہونا چاہئے، خدا تعالٰے کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا قطعاً حرام ہے خواہ کسی بھی نیت سے ہو" بس انسانوں کے ساتھ، مراسم میں اُن کے واقعی حقوق کی ادائیگی اس طرح پیش نظر ہے کہ وہ انسان ہی رہیں اُن کو سجدہ وغیرہ کر کے خدا بنالینا، اسلام و ایمان کے بالکل منافی ہے۔

بہر حال ارشاد ہوا کہ کسی انسان کے لئے، جسکو ہم نے اپنی رحمت سے نبوت، کتاب، اور فہم صحیح عنایت کیا ہو، یہ بات ممکن نہیں کہ وہ لوگوں سے اپنی عبادت کا مطالبہ کرے، وہ جب کہیگا تو یہی کہے گا کہ صرف خدا کی عبادت کرو، کہ عبادت و عظمت، احترام و وقعت کا واقعی مستحق وہی ہے اور کوئی نہیں۔ قرآن مجید نے اس موقع پر ربانی کا لفظ اختیار کیا ہے یہ رب کی جانب منسوب ہے، جسکے معنی خدا پرست کے آتے ہیں، اور ربانی ایسے شخص کو کہتے ہیں جس نے اللہ کے دین کو مکمل طور پر اختیار کیا ہو، اور خدا تعالٰے کی اطاعت کو اپنا شعار قرار دیا ہو، بس ربانی اس طرح کے آدمی ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہ جب ان کی وفات ہوئی تو حضرت ابن الحنفیہؓ نے فرمایا کہ "لو آج اس اُمت کے ربانی کی وفات ہوگئی" حضرت حسن بصریؒ کہتے تھے کہ علماء اور فقہاء، ربانی کہلانے کے مستحق ہیں، بعض علماء نے لکھا ہے کہ اساتذہ، اور مدرسین علماء ربانی ہیں، اور اکثر علماء کی رائے میں صحیح عالم ربانی وہ شخص ہے جو عالم باعمل ہو۔

فرماتے ہیں کہ تم پڑھتے بھی ہو، اور پڑھاتے بھی ہو، علم و تعلیم کا لازمی نتیجہ، ربانیت اور خدا پرستی ہے، اگر علم کے نتیجہ میں انسان میں خدا پرستی پیدا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ علم صحیح ہے اور اپنا کام کر رہا ہے، لیکن اگر پڑھنے، پڑھانے کے بعد ضمیر و باطن، ظاہر و کردار، خدا پرستی کا نمونہ نہیں تو ایسے علم سے بلا علم ہی اچھے۔ ان آیات سے علم، بے عمل کی قباحت اور مذمت، خوب معلوم ہوگئی، اور معلوم ہوگیا کہ جس شخص نے، علم حاصل کیا اور عمل کے اُس پر دروازے نہیں کھلے، اس کی مثال بالکل

ایسی ہے جیسا کہ کسی نے خوشنما درخت لگائے ہوں جنکو دیکھکر طبیعت خوش ہوتی ہو لیکن یہ حسین درخت، خوش ذائقہ پھل دینے سے محروم ہیں، کوئی پیغمبر اور رسول اس کی کبھی تعلیم و تلقین نہیں کر سکتا کہ خدا تعالےٰ کے علاوہ کسی فرشتے پیغمبر اور نبی ہی کو خدا بنا لو۔ کیا کسی انسان کو کفر کی تعلیم دے کر، یہ حضرات مسلمان رہ سکتے ہیں؟ یا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ یہ آپؐ سے سجدے کے متعلق دریافت کرنے والے کیا اسلام کے بعد، کفر اختیار کرنا چاہتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ بالکل کفر ہے۔ والعیاذ باللہ ؛

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ

اور جبکہ اللہ تعالےٰ نے عہد لیا انبیاء (علیہم السلام) سے کہ جو کچھ میں تمکو کتاب اور علم دوں پھر

ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ

تمہارے پاس کوئی پیغمبر آوے جو مصدق ہو اس کا جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اُس رسول پر اعتقاد بھی لانا اور

وَلَتَنْصُرُنَّهُ ط قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ط

اُس کی طرفداری بھی کرنا فرمایا آیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا

ع ۵ ــــــ اگرچہ صاحب مدارک نے شانِ نزول وہ ذکر کیا جو مذکورہ بالا سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں، لیکن امام بخاریؒ و مسلم رحمہما اللہ علیہ نے ایک اور واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ آیات اس واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئیں۔ بخاری میں ہے کہ اشعثؓ کہتے تھے کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان ایک زمین کا جھگڑا چل رہا تھا، زمین میں میرا حصہ تھا، لیکن یہودی صاف انکار کرتا، میں فیصلہ کے لئے اُس یہودی کو پکڑ کر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر حاضر ہوا، اور سارا قصہ سُنا دیا۔ آپؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی گواہ ہے جس سے تم ثابت کردو کہ زمین تمہاری ہے۔ میں نے عرض کیا کہ گواہ تو کوئی نہیں، تو پھر آپؐ نے یہودی سے فرمایا، اچھا تم قسم کھاؤ، کہ زمین میں اشعث کا کوئی حصہ نہیں، اس پر میں گھبرا کر بولا کہ یا رسول اللہ یہ تو ظالم فوراً قسم کھالے گا اور میری زمین جائے گی۔ اِسی پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے متعدد واقعات کے متعلق نشاندہی کرتے ہوئے کہ شانِ نزول کی حیثیت سے یہ بھی پیش کئے لکھا ہے کہ لیکن نقل اور سند کے اعتبار سے یہ روایت زیادہ بہتر ہے جو بخاری میں موجود ہے" والآیۃ محتملہ ولکن العمدۃ فی ذلک ما ثبت فی الصحیح" اِسی طرح دوسری آیت جو "ماکان لبشر" سے شروع ہو رہی ہے، اس کے شانِ نزول کے سلسلہ میں ابن اسحٰقؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب وفد نجران کے آنے کے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دی تو اس پر یہ کہنے لگے کہ "اچھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ ہم سے اپنی عبادت کرانا چاہتے ہیں" آپ یہود و نصاریٰ کے اس الزام کو سُنکر تھرا گئے اور فوراً یہ آیات نازل ہوئیں۔ آیات میں مسلسل جس طرح یہود و نصاریٰ کی تردید چل رہی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شانِ نزول یہی زیادہ صحیح ہے جس کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں ؛ (مترجم)

قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ فَمَنْ

وہ بولے ہم نے اقرار کیا ارشاد فرمایا تو گواہ رہنا اور میں اِس پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں سو جو شخص

تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ

روگردانی کرے گا بعد اس کے تو ایسے ہی لوگ بے حکمی کرنے والے ہیں کیا پھر دین خداوندی کے سوا اور کسی

يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّ

طریقے کو چاہتے ہیں حالاں کہ حق تعالٰے کے سامنے سب سرافگندہ ہیں جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے اور بے اختیاری سے

اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ○ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى

اور سب خدا ہی کی طرف لوٹائے جاوینگے آپ فرما دیجئے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس پر جو

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ

ابراہیمؑ و اسمٰعیل (علیہما السلام) و اسحاق (علیہ السلام) و یعقوب (علیہ السلام) اور اولاد یعقوب کی طرف بھیجا گیا اور اسپر بھی جو

مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ

موسیٰؑ و عیسیٰ (علیہما السلام) اور دوسرے نبیوں کو دیا گیا اُنکے پروردگار کی طرف سے اِس کیفیت سے کہ ہم اُن میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ

کرتے اور ہم تو اللہ ہی کے مطیع ہیں اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کریگا تو وہ اُس سے مقبول

مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا ۞

اور وہ وقت یاد کرو جبکہ اللہ تعالٰے نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب و حکمت کی قسم سے دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول اس چیز کی تصدیق کرنے والا آوے، جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اُس رسول پر ایمان لانا، اور ضرور اُس کی نصرت کرنا (پھر) فرمایا کہ تم اقرار کرتے ہو اور اسپر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں، فرمایا، تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں، پھر جو کوئی اس کے بعد بھی روگردانی کریگا سو یہی لوگ تو نافرمان ہیں، سو کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور طریقہ کو تلاش کر رہے ہیں درانحالیکہ اس کے فرمانبردار ہیں، جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے خواہ یہ فرمانبرداری رضاء و اختیار سے ہو یا بے اختیاری سے، اور سب اسی کی طرف

لوٹ جائیں گے۔ آپ کہہ دیجیے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس پر جو ہمارے اوپر اُتارا گیا ہے، اور اس پر جو ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوب پر اُتارا گیا ہے، اور اس پر جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر اور دوسرے انبیاء کو دیا گیا ہے، اُن کے پروردگار کی طرف سے ہم ان میں باہم کوئی فرق نہیں کرتے، اور ہم تو اسی اللہ کے فرمانبردار ہیں، اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا، سو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

انبیاء علیہم السلام سے ایک عہد اِن آیات میں جس عہد کے لینے کا انبیاء علیہم السلام سے تذکرہ آیا ہے، مفسرین نے اِس سلسلہ میں دو باتیں لکھی ہیں، ایک تو یہ کہ یہ عہد انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا تھا جیسا کہ قرآن مجید کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، اور دوسرا قول ہے کہ یہ عہد انبیاءؑ سے نہیں بلکہ اُن کی اولاد سے لیا گیا تھا جن کو ہم اور آپ بنو اسرائیل کہتے ہیں، اِس صورت میں "النبیین" مضاف الیہ ہوگا، اور مضاف یعنی لفظ "اولاد" یہاں سے محذوف ماننا پڑے گا، ترکیب نحوی کے اعتبار سے "لما اٰتیتکم" میں لام توطیہ ہے، کیوں کہ عہد لینے کا واضح مطلب گویا کہ اِس سلسلہ میں ان سے قسم لینا ہے، اور "لتؤمنن" میں لام جواب قسم ہے عہد جو انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا تھا اُن میں خصوصی طور پر ان آسمانی نوشتوں کی تصدیق کو معیار بنایا گیا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے، دوسرے انبیاء پر نازل ہو چکے تھے، ان کو بتایا گیا کہ یہ آنے والے نبی اُن آسمانی کتابوں کی تصدیق کریں گے جو خود انبیاء علیہم السلام پر عہد بعہد اُتر چکے تھے، جب یہ تصدیق کر چکیں اور یہی اُن کی نبوت و رسالت کی سب سے بڑی علامت اور ضمانت ہے تو تم اُن پر ایمان لانا اور مخالفین کے مقابلے میں اُن کی بھرپور مدد کرنا، کیوں کہ اُن نبی کا یہ عمل کہ وہ تمہاری مذہبی کتابوں کی تصدیق کریں گے خود ان کے نبی ہونے کے ساتھ اس بات کی بھی دلیل ہوگی کہ وہ تمہارے مذہب کے مخالف نہیں بلکہ اس کے خیر خواہ ہیں۔ ارشاد ہے کہ ہم نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس عہد کو اور بھی پختہ کرنے کے لئے اُن سے دریافت کیا کہ بتاؤ کیا تم کو میرا یہ عہد قبول ہے؟ وہ سب بولے کہ بے شک ہم آپ کے ساتھ یہ عہد کرتے ہیں اس پر میں نے کہا کہ اچھا تو پھر تم اپنے عہد پر ایک دوسرے کو گواہ کر لو اور میں بھی تمہارے اس عہد پر گواہ ہوتا ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے اس عہد پر فرشتوں کو گواہ بنایا ہو، اور "فاشھدوا" میں فرشتے ہی گواہ مراد ہوں، اِس کے بعد خدا تعالےٰ نے یہ بھی جتلا دیا کہ اب جو کوئی اس عہد کو توڑے گا تو وہ یقیناً عہد شکن سمجھا جائے گا۔

ہم نے یہ بھی فرمایا کہ کیا خدا تعالےٰ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کی تلاش ہے؟ اِن آیات میں ہمزہ انکار فاء عاطفہ پر داخل ہوا، اور جملہ کا جملہ پر عطف ہے، اِس ترکیب پر معنی یہ ہوئے کہ نقض عہد، فسق ہے اور یہ فاسق لوگ، خدا تعالےٰ کے دین کے سوا کسی اور طریقہ کے متلاشی ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عطف، محذوف پر ہو رہا ہو، اور پوری عبارت یوں ہو "ایبتغون لغیر دین اللہ یبغون" غیر دین اللہ، مفعول ہونے کے باوجود اپنے فعل یعنی "یبغون" پر مقدم کر دیا گیا کیونکہ یہاں فعل سے علامت مفعول کی اہمیت ظاہر کرنا ہے کیوں کہ انکار جو کہ ہمزہ سے مفہوم ہو رہا ہے اس کا تعلق معبود باطل سے ہے اور نفی معبود باطل ہی کی کرتا ہے، ارشاد ہے کہ خدا تعالےٰ کے دین کے علاوہ اور کون سا دین تلاش کریں گے درانحالیکہ لائق عبادت تو صرف ایک ہی ہستی ہے یعنی خدا تعالےٰ کی، جس کی کبریائی کے سامنے ساری کائنات خوشی اور ناخوشی سے قطعاً سر بسجود ہے، انسان ہوں یا جنات، فرشتے ہوں یا کوئی دوسری مخلوق جس پر دلائل کا انکشاف

ہوگیا، اور معرفت کے کچھ پردے، نظروں سے ہٹ گئے، اس کا خدا تعالےٰ کو معبود کہنا قلب کی تمام گہرائیوں اور ایک مخلصانہ جذبہ کے تحت ہے، اور کچھ وہ بھی ہیں جو خدا پرستی اور خدا تعالیٰ کے اقتدار کامل کو تسلیم کرنے کی منزل تک بہ اخلاص اور معرفت و عرفان کی راہ سے تو نہیں پہونچے لیکن قہاریت کی گرفت نے ان کو بھی خدا تعالےٰ کے اقتدار کو بے چون و چرا تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا، مثلاً بنو اسرائیل نے احکام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو ہم نے اُن کے سروں پر پہاڑ مسلط کر کے، مجبور کر دیا کہ وہ ہمارے احکام کو قبول کریں اور ان پر عمل کریں۔ فرعون نے سرکشی کا بدترین مظاہرہ کیا لیکن دریائے خون کی خوفناک موجوں نے، اسکو مجبور کر دیا کہ وہ بھی اس اقتدار کو تسلیم کرے جس سے عمر بھر ٹکرانے کی احمقانہ کوشش کرتا رہا، اور عام انسانوں کے وہ گم کردہ راہ قافلے، جو زندگی کے سفر میں، خدا فراموش، زندگی گذار کر، گرفت و بطش کی آہنی زنجیروں کی جھنکار سے یکسر غافل رہتے ہیں، موت کے وقت غفلت کا پردہ چاک ہو کر اُن کا ذہن یکایک مرکز اقتدار کے نشیب و فراز کو جاننے پر کس طرح مجبور ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ پوری کائنات اپنی ابتدا میں خوشی سے، اور انتہا میں، قوت و جبر سے ہمارے اقتدار کو خوب تسلیم کر رہی ہے پھر انسان کا کسی دوسرے کو معبود بنانا کس درجہ غلط ہے، آخرت میں یہ تمام انسانوں کی کائنات بلکہ کل مخلوقات ہماری طرف سفر کر کے آرہی ہے جہاں ہم انسانوں کو انکے اعمال کے مطابق یقیناً جزاء، وسزا دیں گے۔

آپ خود اپنی طرف سے اور تمام مومنین کی طرف سے واضح اعلان کر دیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، اور زمین پر نازل ہونے والے تمام مقدس صحیفے، ہم ان پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ ان آیات میں ایک قرآنی بلاغت کا بہترین نکتہ قابل توجہ ہے، وہ یہ کہ "انزال" کا تعدیہ کبھی "علیٰ" کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی "الیٰ" کے ساتھ، علیٰ کے ساتھ اگر ہو تو معنی ہوتے ہیں اوپر سے کسی چیز کا اُترنا، اور الیٰ کے ساتھ معنی ہوں گے، کسی تک پہونچ جانا، یہاں "وما انزل علینا" میں تعدیہ "علیٰ" کے ساتھ اور سورۂ بقرہ میں الیٰ کے ساتھ، گویا کہ دو سورتوں میں انزال کے دونوں پہلو پیش نظر ہے یعنی نزول من جانب اللہ بھی، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک اس وحی کا پہونچنا بھی۔ صاحب کتاب نے اِسی نکتہ کو ایک اور انداز میں بھی سمجھانے کی کوشش کی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ سورۂ بقرہ میں خطاب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو تھا جیساکہ ارشاد تھا کہ "قولوا" تو آپ کے ساتھ گویا کہ آپ کی اُمت بھی شریک تھی، اور ظاہر ہے کہ نزولِ کتاب آپ کے واسطہ سے، اُمت پر ہوا، اس لئے "الیٰ" ہی کا استعمال مناسب تھا اور یہاں خطاب صرف آپ کو ہے، اِس میں کوئی شریک نہیں اِسلئے علیٰ اختیار کیا گیا جو اس پہلو کو خوب واضح کر دے۔ یعنی تنہا آپ مراد ہیں کوئی آپ کے ساتھ اس بات میں شریک نہیں، کہ اُس پر بھی کتاب نازل ہوئی ہو، لیکن یہ توجیہ زیادہ وقیع نہیں کیوں کہ قرآن مجید ہی میں اس کے خلاف ایک آیت موجود ہے یعنی "آمنوا بالذی انزل علی الذین آمنوا" اب یہاں علیٰ کو اختیار کیا گیا اور انزال کا تعلق محض آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ہی نہیں بلکہ تمام مومنین کو شریک کیا گیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب حکیم پر ایمان لانے کے ساتھ اُن پر بھی ایمان لاؤ، جو آپ سے پہلے ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور اُن کی اولاد پر جو انبیاء ہم بھیجتے رہے اور جن پر آسمانی نوشتے نازل ہوتے رہے، اور موسیٰ و عیسیٰ اور ان کے ساتھ اور بھی بہت سے انبیاء پر نازل ہوئے، یہ سب نوشتے منجانب اللہ

تھے اسلئے کسی تفریق و امتیاز کے بغیر اُن پر ایمان لانا چاہیئے، یہود و نصاریٰ کا معاملہ صحیح نہیں جنہوں نے صرف اپنے انبیاء پر نازل شدہ صحیفوں کو تو قبول کیا اور باقی کا انکار کردیا، اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ایک انسان کو ہمیشہ توحید پر قائم رہتے ہوئے، باطل خداؤں کی حیثیت کو بھی تسلیم نہ کرنا چاہیئے، شرک سے اجتناب بھی اصل میں سب سے بڑا مقصود ہے۔ توحید کی ہماری نظر میں اس قدر اہمیت ہے کہ جو شخص اسلام کو چھوڑ کر، جو توحید پرستوں کا سب سے بڑا پسندیدہ مذہب ہے دوسرا مذہب اختیار کرتا ہے تو اُس کی یہ کوشش نہ ہمارے یہاں مقبول بلکہ آخرت میں اس کی تمام کوششیں، اس کے حق میں مفید ہونے کے بجائے، مضر ہی ثابت ہوں گی مہ ؛

مہ امام رازیؒ نے اِن آیات کے متعلق لکھاہے کہ خدا تعالےٰ نے اِن ارشادات میں ان چیزوں کی ایک فہرست پیش کرنا چاہی جو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کبریٰ پر ایک شاہد ہیں اور جن کو اہلِ کتاب بھی خوب جانتے تھے، اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس عہد کا تذکرہ کیا جو حضرات انبیاء علیہم السلام سے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے، آپ کی نصرت کرنے کے متعلق لیا جاتا رہا گویا ہر نبی اس کا پابند تھا کہ اگر آپؐ کی بعثت اُن کے دور میں ہوجائے تو آپؐ کی حمایت اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سب کریں گے، غالباً اسی لئے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ "اگر موسیٰؑ بھی میرے دور میں ہوتے تو اُن کے لئے بھی اس کے سوا کوئی راہ نہیں تھی کہ وہ مجھ پر ایمان لائیں"۔ یہاں ایک اشکال ضرور ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کو بالیقین معلوم تھا کہ آپؐ کے دور میں کون نبی ہوگا، اور ہوگا بھی یا نہیں؟ اور ظاہر ہے کہ آپؐ کے عہد میں کوئی بھی نبی نہیں تھا، پھر تمام انبیاء علیہم السلام سے عہد لینا کیا معنی رکھتا ہے؟ حل اس کا یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو بے شک ہر چیز کا علم ہے اور وہ خوب جانتا تھا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دور میں کوئی نبی نہ ہوگا، لیکن انبیاء سابقین کی اُمتوں کو بتانا ہے کہ تم آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے کیسے انکار کرتے ہو حالانکہ تم کو ہی ان پر ایمان لانے کے لئے پابند رکھنے کی خاطر ہم نے تمہاری جانب مبعوث انبیاء سے بلا استثناء عہد لیا تھا، گویا کہ آپؐ کی رسالت آپ پر ایمان اس قدر اہم، مطلوب امر ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر طرح کے علم کے باوجود محض اس عہد کی اہمیت کے پیش نظر، یاد دہانی عہد کی فرماتے رہے، اس طرح انبیاء براہ راست ان ارشادات کے مخاطب ہوں جب بھی اُن کی اُمتیں، مخاطب ہوں گی، اور یا انبیاء علیہم السلام سے بظاہر خطاب ہے اور درحقیقت خطاب خود اُمم ہی کو ہے تو بصراحت، امتیں مخاطب ہوں گی، چنانچہ المنار میں ہے کہ "والمقصود من الوجھین او الطریقین فی تفسیر العبارۃ واحد وھوان الواجب علی الامم التی اوتیت الکتاب اذا جاءھم رسول مصدق لما معھم ان یؤمنوا بہ وینصروہ وجب ذٰلک علیھم بمیثاق اللہ علی انبیاءھم او میثاقہ علیھم انفسھم علی لسان انبیاءھم" اِن آیات میں واضح طور پر بتادیا گیا کہ اصل دین ایک ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر تمام انبیاء علیہم السلام ہمیشہ سے متفق رہے، اس لئے جو آپ کی نبوت کا اب انکار کرتے ہیں اُن کو متنبہ کیا گیا کہ اس وضاحت اور اہتمام کے باوجود کیا تم اب آپؐ کی نبوّت و رسالت کا اِنکار کرتے ہو (افغیر دین اللہ یبغون) حالاں کہ ساری کائنات خدا تعالےٰ کے سامنے، مطیع و منقاد ہے۔ فخر رازی نے لکھاہے کہ طوعاً و کرہاً، کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ تمام چیزوں میں تصرفات فرماتے ہیں اور کسی کی طاقت نہیں کہ ان تصرفات کو جو خدا تعالیٰ کی منشاء پر ہو رہے ہیں رد کرے، لیکن بعض بندے ہیں جو اُن تصرفات کو قبول کرتے ہیں، اطمینان ان پر کرتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اُن کو پسند نہیں کرتے لیکن ہیں انکے سامنے مجبور، جیسا کہ مومن پر اگر کوئی پریشانی پیش آئے تو وہ اس پر اظہار ناپسندیدگی نہیں کریگا، کافر ضرور اُسے نفرت کی نگاہ سے دیکھیگا لیکن جو کچھ ہو رہا ہے اس سے مفر کوئی اسکو بھی نہیں ؛

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت کریں گے جو کافر ہو گئے بعد اپنے ایمان لانے کے اور بعد اپنے اس اقرار کے کہ رسول سچے ہیں اور بعد

حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ

اسکے کہ ان کو واضح دلائل پہونچ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ ایسے بے ڈھنگے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتے ایسے لوگوں کی سزا

جَزَاۗؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہوتی ہے اور فرشتوں کی بھی اور آدمیوں کی بھی سب کی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝

کو اس میں رہیں گے ان پر سے عذاب ہلکا بھی نہ ہونے پاوے گا اور نہ ان کو مہلت ہی دی جاوے گی ہاں مگر

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

جو لوگ توبہ کرلیں اس کے بعد اور اپنے کو سنوار دیں سو بیشک خدا تعالیٰ بخشدینے والے رحمت کرنے والے ہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ ۚ

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اپنے ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے رہے کفر میں اُن کی توبہ ہرگز مقبول نہ ہوگی

وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ

اور ایسے لوگ پکے گمراہ ہیں بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ مر بھی گئے حالت کفر ہی میں

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ

سو اُن میں سے کسی کا زمین بھر سونا بھی نہ لیا جاوے گا اگرچہ معاوضہ میں اس کا دینا بھی چاہے

اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

اُن لوگوں کو سزائے دردناک ہوگی اور ان کے کوئی حامی بھی نہ ہوں گے

اللہ ایسے لوگوں کو کب ہدایت دے سکتا ہے جو ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہوگئے، حالاں کہ یہ رسول کے برحق ہونے کی شہادت بھی دے چکے تھے اور اُن کے پاس کھلی نشانیاں بھی آچکی تھیں اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا، ایسے لوگوں کی سزا تو بس یہ ہے کہ اُن پر اللہ، فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت

ہوتی ہے، وہ اس میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے نہ اُن پر سے عذاب ہلکا کیا جائے گا، اور نہ انہیں مہلت دیجائیگی البتہ جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنے کو درست کرلیں، سو بے شک اللہ بڑی مغفرت والا ہے، بڑی رحمت والا ہے، بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا، پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے اُن کی توبہ ہرگز قبول نہو گی یہی لوگ تو گمراہ ہیں بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور اسی پر اُن کی موت ہوگئی تو اُن میں سے کسی سے بھی زمین بھر سونا قبول نہیں کیا جائے گا، اگرچہ وہ اسے معاوضہ میں دینا چاہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے عذاب دردناک ہے، اور جن کے کوئی بھی مددگار نہوں گے ؂

ارتداد اور اسکی سزا

یہ آیات ایک ایسی جماعت کے سلسلہ میں نازل ہوئیں جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور پھر معاذ اللہ، کفر اختیار کر بیٹھے بلکہ مکہ معظمہ کے مشرک اسٹیٹ میں کافرانہ اور مشرکانہ حیثیت سے جا کر پناہ گزیں ہوگئے۔ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو ہدایت اب ملنا بہت ہی مشکل ہے جن پر حق واضح ہوچکا تھا، جن کے سامنے وہ تمام دلائل، معجزات آچکے تھے، جن سے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اسلام کی صداقت کا مکمل ثبوت ملتا تھا لیکن اس سب چیزوں کی مکمل تصدیق کرنے کے بعد انہوں نے کفر اختیار کیا، حالاں کہ خدا تعالےٰ کی سنت ہے کہ وہ ایسے معاند لوگوں کو ہدایت عطا نہیں فرماتا، بلکہ ایسے لوگ، تو ابدی لعنت میں مبتلا کردئے جاتے ہیں، اور لعنت بھی، اللہ کی، اس کے مقدس فرشتوں کی اور مومن و نیک بندوں کی، اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ عذاب اور دوسرے جو ان پر مسلط کئے جائیں گے وہ کبھی ہلکے نہیں کئے جائیں گے نہ ان کو ان سے کبھی مہلت اور فرصت ملے گی۔ لیکن جو لوگ اس کفر و ارتداد کے بعد جو ایک نہایت ہی گھناؤنا جرم ہے توبہ کریں گے اور اپنے احوال درست کرلیں گے، تو خدا تعالےٰ ان کے کفر کو معاف کردیگا (غفور) اور آئندہ کے لئے پھر ان کی طرف توجہ فرمائے گا (رحیم) یہ یہود جنہوں نے حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے کے بعد، عیسیٰؑ پر ایمان لانے سے انکار کردیا، اور پھر اس کفر کی مزید تقویت اس سے ہوئی کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی نبوت کا انکار کردیا، گویا کفر بر کفر، اور انکار بالائے انکار، یا وہ لوگ جنہوں نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان قبول کیا تھا، پھر اس کا انکار کیا، مکہ چلے گئے اور وہاں سے کہلا بھیجا کہ ہم تو "محمد کی موت کا انتظار کر رہے ہیں" گویا کہ کفر در کفر میں یہ داخل ہوتے چلے گئے، ایسے لوگ اگر اب مرنے کے وقت توبہ کریں گے تو اُن کی توبہ قبول نہ ہوگی گویا کہ خدا تعالےٰ کو معلوم ہے کہ زندگی میں توبہ تو یہ کریں گے نہیں، موت کے وقت کریں گے اور موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہے، یہ لوگ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں، اگر یہ خود کو خدا تعالےٰ کے عذاب سے چھڑانے کے لئے زمین بھر سونا بھی دیں گے تو قبول نہوگا، بلکہ ان پر اور عذاب ہوگا اور اس عذاب میں کوئی انکا مددگار نہوگا۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن کافر سے خدا تعالےٰ دریافت فرمائیں گے کہ کہو اگر آج تمہارے پاس زمین بھر سونا ہو تو کیا معاوضہ میں اسکو دے کر خود کو اس تکلیف و عذاب سے چھڑانا چاہو گے؟ وہ بولے گا کہ ضرور ضرور، فرمائیں گے کہ اب کیا ہوتا ہے دنیا میں تو اس سے بہت کم چیز تجھ سے چاہی تھی لیکن تو وہ بھی نہ دے سکا یعنی ہم نے صرف ایمان کا مطالبہ کیا تھا اور کفر سے باز آجانے کی تلقین کی تھی تو وہ کرنہ سکا، تو آج تیرے روپے، پیسے کی کوئی ضرورت نہیں [1]

---

[1] ان آیات کے شانِ نزول کے سلسلہ میں کافی اختلاف ہے، امام نسائی و ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انصار میں ایک صاحب تھے، مسلمان تھے، بدقسمتی سے مرتد ہوگئے، چند روز کے بعد اپنی اس حرکت پر (بقیہ حاشیہ بر صفحہ

(بقیہ حاشیہ ص۸۳) نادم ہو کر اپنی قوم سے گذارش کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاکر معلوم کرو کہ کیا میری توبہ کی قبولیت کا امکان ہے؟ اِس پر یہ آیات تا "فان اللہ غفور رحیم" نازل ہوئیں، جن میں بتایا گیا کہ توبہ اور عمل صالح کے بعد، پھر خدا تعالےٰ رحمت و مغفرت کی نظر سے دیکھے گا۔ علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں چند روایات لکھ کر، لکھا ہے کہ " واکثر الروایات علیٰ ھذا " یعنی اکثر روایات اِسی طرح کی ہیں۔ لیکن امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں ایک روایت نقل کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ بنو قریضہ اور بنو نضیر جو یہود کے دو مشہور قبیلے تھے؛ اور ان کے ساتھ باوجود یکہ پہلے سے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے۔ لیکن جب آپؐ کی بعثت ہوئی تو آپؐ کا کفر کیا، اور کفر میں بھی اصرار کی حد تک جا پہونچے اِس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ امام ابن جریرؒ نے اِسی روایت کو ترجیح دی۔ المنار میں بھی لکھا ہے کہ آیات اپنے مضمون کے اعتبار سے یہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب ہی سے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

آیات میں بتایا گیا کہ اہلِ کتاب جو کہ آپؐ کی بعثت کے منتظر تھے جب آپؐ کی رسالت کا اعلان ہوا تو منکر ہو گئے اور انکار میں معاندت کی راہ اختیار کی، اللہ تعالےٰ نے بتایا کہ ایمان کے بعد کفر اور کفر میں بھی انہماک، ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے بعد توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی، یہاں ایمان سے مراد صرف اتنی ہے کہ وہ اپنی آسمانی کتابوں کی بشارت کے مطابق، نبی آخر الزمان کی آمد کے منتظر تھے، اور جب آپؐ کی بعثت ہوئی تو علامات سے اُن کو باور بھی ہو گیا کہ پیغمبر موعود آپؐ ہی ہیں لیکن از راہِ حسد و عناد انکار کر دیا بس ایمان کا اتنا ہی مطلب ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اہلِ کتاب اصطلاحی معنی میں آپؐ پر ایمان نہیں رکھتے تھے، لعنت کے معنی ہیں خدا تعالےٰ کی رحمت سے محروم ہونا اور خدا تعالےٰ کا اُن پر غضبناک ہونا اور فرشتوں و انسانوں کی لعنت یہی ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے نفرت رکھتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ اُن کو ملعون کر دے۔ آیت میں ایک اور اشکال قوی یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ اُن پر تمام انسانوں کی لعنت، حالانکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ کم از کم وہ آدمی جو ان کے عقیدہ کے شریک ہیں وہ ان پر لعنت کیوں کرنے لگے۔ مفسّرین نے اس کے بہت سے جواب دئے، لیکن ابو مسلم اصفہانی نے لکھا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ان پر تمام آدمی لعنت کریں کیوں کہ وہ اسی قابل ہیں، اب اگر کوئی اُن پر لعنت نہیں کرتا تو وہ خود ملعون ہے، لیکن سب سے بہتر یہ تفسیر ہے کہ قیامت میں یہ واقعی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے مومن تو ان پر لعنت بھیجیں گے ہی، لطف تو یہ ہے کہ یہ خود بھی ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے " ثم یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا "۔ اِس کے بعد ارشاد ہے کہ جو لوگ ایمان کے بعد کفر کرتے ہیں اور کفر میں ان کے اضافہ ہی ہوتا ہے اُن کی توبہ تو ہرگز قبول نہ ہوگی، حالانکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ توبہ تو ہر ایک کی قبول ہوتی ہے۔ اِس اُلجھن کو دُور کرتے ہوئے امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ مراد ہے توبہ گناہوں سے کہ کفر پر اصرار کے ساتھ اگر یہ اپنے دوسرے ان گناہوں سے توبہ بھی کریں گے تو وہ قبول نہ ہوگی۔ اور بیضاوی نے لکھا ہے کہ زندگی بھر ان کو توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوگی، مرنے کے وقت توبہ کریں گے لیکن اس وقت توبہ قبول نہ ہوگی۔ بلکہ یہ لوگ آخرت میں بالفرض، زمین کے برابر سونا بھی دے کر جان چھُڑانا چاہیں گے تو بھی اُن پر سے عذاب ہٹایا نہ جائے گا، یہ اسلئے فرمایا کہ اہلِ کتاب کا خیال تھا کہ ہم آخرت میں بھی کچھ دے لیکر اسی طرح چھوٹ جائینگے جیسا کہ دُنیا میں رشوتوں سے کام چلتا ہے، اِسی خیالِ خام پر ان پر ان کو متنبہ کیا گیا۔

الحمد للہ آج ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ بروز جمعرات بوقت صبح سوا نو بجے پارہ تلک الرسل ختم ہوا، اور لن تنالوا البر شروع ہوتا ہے " ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ؕ "

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ

تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو خوب

عَلِیْمٌ ○ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ

جانتے ہیں سب کھانے کی چیزیں نزول توراۃ کے قبل باستثناء اس کے جس کو یعقوبؑ نے اپنے نفس پر حرام کر لیا تھا

عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ

بنی اسرائیل پر حلال تھیں فرما دیجئے کہ پھر تورات لاؤ پھر اس کو پڑھو اگر

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

تم سچے ہو سو جو شخص اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بات کی تہمت لگائے تو

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ

ایسے لوگ بڑے بے انصاف ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ کہہ دیا سو تم ملت ابراہیم کا اتباع کرو

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ

جس میں ذرا بھی نہیں اور وہ مشرک نہ تھے یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو کہ

مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۚ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ وَمَنْ

مکہ میں ہے جس کی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے اور جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے اسمیں کھلی نشانیاں ہیں منجملہ ان کے ایک مقام ابراہیم ہے اور جو شخص

دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ

اس میں داخل ہو جاوے وہ امن والا ہو جاتا ہے اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے یعنی اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک

وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ○ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ

کی سبیل کی اور جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی ہیں آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ○ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ

احکام کا حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی اطلاع رکھتے ہیں آپ فرما دیجئے اے اہل کتاب کیوں ہٹاتے ہو اللہ کی راہ سے

عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

ایسے شخص کو جو ایمان لا چکا اس طور پر کہ کجی ڈھونڈھتے ہو اس راہ کے لئے حالاں کہ تم خود بھی اطلاع رکھتے ہو اور اللہ تعالےٰ تمہارے

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

کاموں سے بے خبر نہیں اے ایمان والو اگر تم کہنا مانو گے کسی فرقہ کا اُن لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے تو وہ لوگ

يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے کافر بنا دیں گے اور تم کفر کیسے کر سکتے ہو حالانکہ تم کو اللہ تعالےٰ کے احکام

اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ع

پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں اور جو شخص اللہ تعالےٰ کو مضبوط پکڑتا ہے تو ضرور راہِ راست کی ہدایت کیا جاتا ہے۔

جب تک اپنی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے اُس وقت تک مکمل نیکی کے مرتبے کو پہونچ نہ سکو گے اور جو کچھ بھی کسی چیز سے خرچ کرتے رہتے ہو اللہ تعالےٰ اُس سے خوب واقف ہے، ہر کھانا بنی اسرائیل کے لئے حلال تھا بجز اُس کے جو خود اسرائیل نے خود پر حرام کر لیا تھا، یہ بات تورات اُترنے سے پہلے کی ہے تو آپ کہیے کہ تورات لاؤ اور اُسے پڑھو اگر تم سچے ہو سو جو شخص اللہ پر اس کے بعد جھوٹ گھڑے، تو بس ایسے لوگ ظالم ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے سچ بات فرما دی ہے سو تم سیدھی راہ والے ابراہیم کے دین کی پیروی کرو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لئے وضع کیا گیا ہے، وہ، وہ ہے جو مکہ میں ہے سب کے لئے برکت والا اور سارے جہان کے لئے راہ نما ہے، اس میں واضح نشان ہیں اُن نشانات میں سے ایک مقام ابراہیم ہے، اور جو کوئی اس میں داخل ہو جاتا ہے وہ امن سے ہو جاتا ہے، اور لوگوں کے ذمہ ہے حج کرنا اللہ کے لئے اس مکان کا۔ یعنی اُس شخص کے ذمہ جو وہاں تک پہونچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ اور جو کوئی کفر کرے، تو اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔ آپ کہیے کہ اے اہلِ کتاب! کیوں اللہ کی نشانیوں سے کفر کر رہے ہو۔ درآنحالیکہ اللہ تمہارے کرتوتوں کا گواہ ہے۔ آپ کہیے کہ اے اہلِ کتاب جو ایمان لا چکا تم اُس کو کیوں راہ سے ہٹاتے ہو، اس راہ میں کجی نکال، نکال کر، درآنحالیکہ تم خود گواہ ہو، اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں، اے ایمان والو! اگر تم اُن لوگوں میں سے کسی گروہ کا کہا مان لو گے جنہیں کتاب دی جا چکی ہے تو وہ تم کو ایمان کے بعد کافر بنا چھوڑیں گے، اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو درآنحالیکہ تمہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اس کے رسول موجود ہیں اور جو کوئی اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے اس کو ضرور سیدھی راہ کی جانب ہدایت کی جاتی ہے۔

متاعِ گراں و زر کو راہِ خدا میں خرچ کرو

ارشاد ہے کہ انسان معمولی اور بے حقیقت اشیاء کو راہِ خدا میں خرچ کر کے سمجھتا ہے کہ سب کچھ حاصل کر لیا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تم اُسوقت تک نہ کوئی ثواب حاصل کر سکتے نہ نیکی اور خیر کے مقام کو پہونچ سکتے اور نہ نیکی پسند لوگوں کے زمرہ میں تمہارا شمار ہو سکتا ہے تاوقتیکہ تم خدا تعالیٰ کی راہ میں وہ کچھ خرچ نہ کرو جو تم کو سب سے زیادہ محبوب ہو، حسن بصریؒ کہتے تھے کہ اگر کوئی شخص ایک ہی کھجور کا دانہ خدا تعالےٰ کی خوشنودی کی خاطر پُورے اخلاص کے ساتھ دے تو وہ بھی یقیناً اُن ابرار و صالحین کی مقدس جماعت میں داخل سمجھا جاوے گا جن کی کوششیں حضرت حق جل مجدہ کے یہاں مقبول ہیں۔ اور واسطی کا ارشاد ہے کہ ایک ہے نیکی کا حصول، وہ تو صرف محبوب اشیاء کے تصدق سے حاصل ہو سکتا ہے اور ایک ہے خدا تعالےٰ کی خوشنودی کا حصول یا وصول الی اللہ، تو یہ مقامِ رفیع اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ انسان دونوں جہان سے بے نیاز ہو کر محض خدا تعالےٰ ہی کا نہ ہو رہے، ابو بکر وراق ہمیشہ کہتے کہ سب سے بڑی نیکی اپنے بھائیوں کے ساتھ حسنِ معاملت ہے۔ اِن سب اقوال کا حاصل یہی ہے کہ "بر" جس چیز کا نام ہے وہ گرانقدر اشیاء کو للہ صدقہ کر دینے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ عمر بن عبدالعزیز کے متعلق مشہور ہے کہ ہمیشہ "گنا" خریدتے اور لوگوں کو تقسیم کرتے، کسی نے ایک روز کہا کہ آپ کیوں اتنی مشقت اُٹھاتے ہیں اُٹھا کر کچھ پیسے ہی تقسیم کر دیا کیجیے، بولے کہ میاں اصل بات یہ ہے کہ "بر" کا حصول اچھی اور دل پسند چیزوں کے صدقہ کرنے پر موقوف ہے، اور تم جانتے نہیں مجھے گنا (پونڈا) سب سے زیادہ مرغوب ہے۔ آخر میں ارشاد ہے کہ جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے خدا خوب واقف ہے اس لئے اُس کا بدلہ ضرور ملے گا۔

اِن آیات میں "من" دو جگہ استعمال ہوا ہے، پہلے من مما تحبون، اور پھر "وما تنفقوا من شیء" ہیں علماء نے لکھا ہے کہ پہلا "من" بعض کے لئے ہے یعنی صدقہ وخیرات میں یہ ضروری نہیں کہ آدمی سب کچھ لٹا کر خود کنگال ہو جائے، نہیں، ہم یہ نہیں چاہتے بلکہ وہ تھوڑا خرچ کرے، اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کرے، لیکن دے اچھی اور پسندیدہ چیزیں۔ اور دوسرا "من" بیانیہ ہے کہ کسی چیز کی خاص تعیین بھی ہماری طرف سے نہیں کہ وہی صدقہ کرو بلکہ جس طرح کی چیز میسر ہو بشرطیکہ تمہاری نظر میں اچھی ہو خدا تعالےٰ کی راہ میں دے ڈالو۔

آنے والی آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہود نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ کہتے تو یہ ہیں کہ ہم ابراہیمی قانونِ شریعت پر چلتے ہیں اور عمل آپ کا اس کے بالکل خلاف ہے، قانونِ ابراہیمی میں تو اونٹ کا گوشت اور دُودھ حرام ہے اور آپ ان دونوں چیزوں کو بلا جھجک استعمال کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جی نہیں، اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ ملتِ ابراہیمی میں قطعاً حلال تھا۔ یہود نے کہا کہ آپ غلط کہتے ہیں اُونٹ کا گوشت اور اس کا دُودھ، ابراہیم اور نوحؑ کی ملت میں بالکل حرام تھے، اِس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہودیوں کے دعوےٰ کی مکمل تردید کی گئی تھی۔ فرمایا کہ کھانے کی چیزیں جن کو عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے، بنو اسرائیل (یہود) کے لئے حلال تھیں، بجز اُن چند چیزوں کے جن کو اسرائیل (یعقوبؑ) نے خود ایک موقع پر اپنے لئے حرام قرار دے لیا تھا۔ اور یہ بھی واقعہ تورات کے نزول سے پہلے کا ہے، اور جو چیزیں یعقوبؑ (اسرائیل نے) خود پر حرام کر لی تھیں اُن میں ہی اونٹ کا گوشت اور دُودھ ہے۔ جب تورات نازل ہوئی تو شریعت موسویؑ میں اب گوشت اور اونٹ کا دودھ دونوں عام طور پر یہود پر حرام کر دیے گئے محض اس احترام کی وجہ سے جو شریعت میں ایک نبی کے شعائر سے رہتا ہے۔ چنانچہ یعقوب علیہ السلام نے خود پر ایک طبی ضرورت کے لئے ان چیزوں کو حرام کر لیا تھا لیکن بعد میں اُن کے اِس عمل کو ان کی شریعت کا ایک جزو ہی قرار دے دیا گیا۔ بہر حال یہود کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یہ چیزیں

ابراہیم اور نوح علیہما السلام ہی کے دور سے حرام تھیں) آپؐ ان سے کہئے کہ اگر ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ چیزیں دورِ موسوی سے قبل ہی حرام ہو چکیں تھیں، تو کوئی دلیل پیش کریں، ورنہ پھر آپؐ ان کو تورات میں دکھایئے کہ یہ کب حرام ہوئی ہیں، ان کی حرمت پرانی نہیں بلکہ ان بد باطن و بد نہاد لوگوں کی فساد طبیعت، کے باغیانہ، کج فطرتی کی ایک سزا تھی، جو لگے ہاتھ طیبات ان پر حرام کر کے دی گئی، یہ سب باتیں خود تورات ہی سے ثابت ہو جائیں گی، ذرا آپؐ اُن سے تورات کے لانے اور سُنانے کا مطالبہ تو کیجیئے۔ کہتے ہیں کہ یہود اس مطالبہ پر کٹ گئے، اور تورات لانے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہوئے۔ اُن کے اس عمل سے ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی صادق تھے، اور یہ کہ جو چیز شریعت موسوی میں حرام ہوئی تھی وہ آپؐ کی شریعت میں آکر حلال ہو گئی، اُن سے کہئے کہ اب ان حقائق کے سامنے آنے کے باوجود پھر حلت و حرمت کے قضیہ میں جو جھوٹ بولے گا اور خدا تعالےٰ پر تہمت رکھے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں جو انصاف پسند نہیں، بلکہ حدودِ انصاف سے نکل جانے والے ہیں۔ اُن سے کہئے کہ خدا تعالےٰ ہی کا بیان اس بارہ میں بالکل سچا ہے کہ ابراہیمؑ و نوحؑ نے کھانے پینے کی چیزوں سے خود پر کچھ بھی حرام نہیں کیا تھا تم بالکل غلط کہتے ہو اب اگر تم کو ذرا بھی انصاف کی خو بُو حاصل ہے تو پھر ابراہیمی شریعت کی اتباع کرو، یہی وہ ملت ہے جس پر یہ محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے متبعین قائم ہیں اور اسی کو اسلام کہا جاتا ہے اور یہ یہودیت جو تمہاری خود ایجاد کردہ ہے، جسکو تم نے اپنے غلط اغراض و مقاصد کے لئے گھڑ لیا تا آنکہ تم نے خواہ مخواہ، بعض حلال اور طیب غذاؤں کو حرام قرار دے لیا اسکو ابراہیم کی ملت اور قانونِ شریعت اور مذہب سے کوئی واسطہ نہیں، ابراہیم تو ان نیک نہاد انسانوں میں سے تھے کہ جن کا، دامن فطرتِ صحیحہ کی راہ نمائی میں، شرک و کفر کی ہر گندگی سے پاک رہا، انہوں نے تمام ہی غلط مذاہب کو چھوڑ کر ایک "دینِ صحیح" کی جانب مکمل توجہ کی تھی، اور شرک سے تو وہ کلیۃً بیزار ہی تھے

"دُنیا کے بتکدہ میں پہلا وہ گھر خُدا کا"

یہودیوں نے ایک بار کہا کہ ہمارا قبلہ "بیت المقدس" مسلمانوں کے قبلہ "خانۂ کعبہ" سے بہت پہلے ہے (گویا کہ قبلہ کی قدامت کو اسکی فضیلت کی دلیل بتاتے تھے) اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ کہ خدا تعالےٰ نے کائنات انسانی کے لئے سب سے پہلا جو گھر، بحیثیت "قبلہ" کے متعین فرمایا ہے وہ خانۂ کعبہ جو مکہ مکرمہ کی سرزمین پر واقع ہے۔ حدیث میں ہے کہ خانۂ کعبہ، بیت المقدس سے چالیس سال پہلے بنایا گیا، کہا جاتا ہے کہ کعبہ سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے بنایا اور یہی سب سے پہلی وہ پرانی تعمیر ہے جس کا "طوفانِ نوح" کے بعد طواف کیا گیا۔ بعض آثار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان اور زمین کی پیدائش کے بعد سطح زمین پر جو عمارت سب سے پہلے نمایاں ہوئی وہ "خانۂ کعبہ" ہی تھا، اور بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق یہ وہ عمارت ہے جس کو سب سے پہلے انسان، یعنی آدم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے "وضع للناس" محلاً مجرور ہے کیونکہ یہ "بیت" کی صفت ہے اور پھر مبتدا ہو گا اس کی خبر "للذی ببکۃ" ہے، بلکہ مکہ مکرمہ کا ایک نام ہے۔ اور بعض علماء نے فرق کیا ہے، اُنہوں نے لکھا ہے کہ "مکہ" تو نام ہے پورے شہر کا، لیکن "بکۃ" نام خاص اُس جگہ کا ہے جہاں خانۂ کعبہ کی تعمیر ہے۔ بکہ کے لغوی معنیٰ، ہجوم اور بھیڑ کے آتے ہیں کیوں کہ خانہ کعبہ کے ارد گرد توحید پرستوں کا ہجوم و اژدحام رہتا ہے اس لئے اسکو "بکہ" کہا گیا۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ "بکّ" کے معنی توڑنے کے آتے ہیں، بکہ، کو بکہ اسلئے کہتے ہیں کہ یہاں بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں توڑ دی جاتی ہیں، بلکہ اپنی بدقسمتی سے جو شخص خانہ کعبہ کی بے حرمتی کا ارادہ بھی کرے، تو خُدا تعالےٰ اُس کو شکستِ فاش دیگا۔ فرماتے ہیں یہ مقامِ مقدس بڑا سراپا خیر و برکت ہے، حجاج اور عمرہ کرنے والے

توسب کے ساتھ، گناہوں کا بھی کفارہ کراتے ہیں اس سے بڑھ کر اور برکت کیا ہوگی اور یہ تمام دُنیا کا قبلہ ہے کسی حاجی قوم جماعت، اور گروہ کا نہیں، اس میں اس کے شرف وعظمت کی بعض وہ اہم نشانیوں کی ایک طویل فہرست ہے جس سے دُنیا کی دوسری مقدس عمارتیں خالی ہیں، مثلاً یہاں "مقام ابراہیم" ہے جس سے اگر ایک طرف خدا تعالےٰ کی کمال قدرت کا احساس تازہ کیا جاتا ہے تو دوسری جانب، ابراہیم کی نبوّت کی یہ بہت بڑی دلیل بھی ہے کیونکہ ایک سخت پتھر میں، کسی انسان کے نقش قدم صدیوں تک جُوں کے توں باقی رہ جانا خود ایک اعجاز ہے، معجزہ ہے، قدرتِ خدا ہے، بلکہ اس پتھر میں ایک ہی نشانی نہیں متعدد نشانیوں کا اجتماع ہے (۱) نقوشِ قدم (۲) پتھر میں اتنی گہرائی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پورے پاؤں ٹخنوں تک اُتر جاتے (۳) پتھر کے بعض حصے نرم جبکہ دوسرے گوشے سخت تھے (۴) اُس پتھر کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا، اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بڑی عظمت کی دلیل ہے، حالاں کہ اِس سے پہلے اور اس کے بعد کبھی بھی کسی نبی کے آثار اِس طرح محفوظ نہیں کئے گئے۔

امن عالم کا مرکز

اِرشاد ہے کہ بیت اللہ ایک وہ مقام رفیع ہے جسکے حدود میں داخل ہونے کے ساتھ انسان اور ہر جاندار بالکل محفوظ ہو جاتا ہے، گویا کہ یہ بھی اُن عجائبات میں سے ایک عجیب غریب چیز ہے جو اس مقام مقدس کو حاصل ہے، اگر ایک طرف اس کی عظمت کا راز اس مقام ابراہیم کی موجودگی تھی تو دوسری جانب یہ بھی ایک سامان رفعت ہیں سے ہے کہ اس میں ہر داخل ہونے والا قطعاً مامون ہے، اگرچہ عظمتِ بیت اللہ کے دلائل تو اور بہت سے ہیں، لیکن خدا تعالےٰ نے یہاں صرف دو ہی ذکر فرمائے یعنی ایک مقام ابراہیمؑ اور دوسرے امن عام کا گہوارہ ہونا۔ مثلاً یہ بھی عجائبات میں سے ہے کہ رمی کتنے حجاج کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہاں اُن کنکریوں کا نام ونشان نہیں ہوتا، جو رمی میں استعمال کی جاتی ہیں، نیز پرندے خانۂ کعبہ کے اوپر سے نہیں اُڑتے وغیرہ، گویا کہ خدا تعالےٰ نے اجمالاً آیات کے لفظ کی تفصیل دو ایک چیزوں سے کر دی ورنہ آیات تو بہت سی ہیں، اِن آیات میں اجمال واختصار بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد میں کہ آپؐ نے فرمایا کہ "لوگو! تمہاری اس دُنیا میں مجھکو کل تین چیزیں محبوب ہیں: (۱) خوشبو (۲) عورت (۳) اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو بس نماز ہی ہے"۔ اب آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا لفظ استعمال فرمایا، ظاہر ہے کہ آپ نماز کا ذکر نہیں فرما رہے ہیں، بلکہ نماز سے حاصل ہونے والے سرور کا تذکرہ ہے اور سرور خالص ایک رُوحانی چیز ہے اس کا اس دُنیا سے کوئی تعلق نہیں تو کہنا پڑے گا کہ آپؐ نے دو چیزوں کا تو بصراحت تذکرہ فرمایا، خوشبو اور عورت کا، لیکن ایک چیز کے تذکرہ کو اپنی وضاحت سے نہیں لیا یعنی نماز کے ذکر کو نماز سے ہونے والے سرور کا تو آپؐ ذکر فرماتے ہیں لیکن خود نماز کا نہیں، یہ اس لئے کہ نماز کے لئے آپ نے پسند نہیں فرمایا کہ اس کا ذکر عورت اور خوشبو کے ذیل میں ہو۔ گویا کہ تیسری چیز، دُنیا سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ اس کا تعلق براہ راست دین سے ہے، بس اسی طرح آیات میں دو نشانیوں کا ذکر فرما کر باقی آیات وعجائبات کے تذکرہ کو مختصر کر دیا گیا اور تفصیلات اِشاروں سے ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اہلِ تاریخ لکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جب خانۂ کعبہ کی بنیادیں اُونچی ہو گئیں اور سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اب نیچے سے کھڑے ہو کر تعمیر کا کام کرنے سے عاجز ہو گئے تو آپ نے یہ پتھر لیا اور اس پر کھڑے ہو کر تعمیر شروع فرمائی، اُسی وقت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقوشِ قدم قدرتی طور پر اس میں محفوظ ہو گئے۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابراہیمؑ، شام سے، مکہ معظمہ تشریف لائے تو اسمٰعیل علیہ السلام کی بیوی نے آپؐ سے عرض کیا کہ

آپ سفر کرکے آرہے ہیں جسم تو گرد و غبار میں آلودہ ہو رہا ہے سر پر بھی گرد و غبار ہے، " لیے آپ کے سر کو دھو دوں، اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک پتھر پر کھڑے ہو گئے اور پہلے آپؑ نے داہنی جانب سے سر دھلوایا اور پھر بائیں جانب، اسی کھڑے ہونے کے دوران آپ کے نقوشِ قدم پتھر پر نقش ہو گئے۔

مفسّرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کی حدود کو یہ جو امن میسر آیا یہ بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا نتیجہ ہے، اس لئے کہ آپؑ ہی نے دُعا فرمائی کہ " رب اجعل هٰذا البلد آمنًا " کہ " اے پاک پروردگار اس بستی کو سراپا امن بنا دیجئے "

اب اس کے امن کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی جرم کر کے حدودِ حرم پہونچ جائے تو وہاں گرفتار نہ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ اگر میرے باپ خطاب کا قاتل، حرم میں مجکو ملجائے تو میں اسکو انگلی تک نہ لگاؤں تاوقتیکہ وہ حرم کی حدود سے باہر نہ نکل آئے۔ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی کسی کو قتل کر دے، یا خدانخواستہ مُرتد ہو جائے یا زنا کے جرم میں پکڑا جائے اور ان جرائم کی وجہ سے اُس پر عدالت کی جانب سے قتل کی سزا عائد ہوئی ہو، بھاگ کر وہ حرم میں پناہ لے لے تو اُس سے اُسوقت کوئی تعارض نہ کرینگے تاوقتیکہ وہ حرم میں ہو۔ ہاں اس طرح کے اقدامات ضرور کئے جائیں گے جس کی وجہ سے وہ پریشان ہو کر حرم سے باہر ہو جائے، مثلاً ایسے تمام ذرائع پر کنٹرول کیا جائے گا کہ اُسکو روٹی نہ مل سکے، پانی اُسکے لئے مہیا نہ ہو، وہ ضرورت کے باوجود اُن چیزوں کو خرید نہ سکے، مقصد یہ ہو کہ پریشان اور حرم سے باہر نکل آئے۔

بعض مفسّرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ امن سے اِن آیات میں اُخروی امن مراد ہے۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مکّہ یا مدینہ میں وفات پائے تو قیامت کے دن وہ اس طرح اُٹھے گا کہ اُس کو جہنّم کے عذاب سے بالکل امن ہوگا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مکہ معظمہ کا مشہور قبرستان جنّت المعلیٰ اور مدینہ کا جنّت البقیع، دونوں اُٹھائے جائینگے اور ان کے تمام مُردے جنّت الفردوس میں پہونچا دئے جائیں گے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جس شخص نے کعبہ کے حرم میں ایک گھڑی رہ کر وہاں کی دُھوپ کی شدّت، سُورج کی تمازت اور لُو کے جُھلسانے والے جھکڑ برداشت کئے خدا تعالےٰ اُس کو جہنّم کی دو سَو سالہ تیز اور مصیبت خیز گھڑیوں سے بچا لینگے۔

حج کیجئے فرماتے ہیں کہ محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر مُسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ حج کریں، بشرطیکہ اُن کو اس طول و طویل سفر کی پوری قُدرت بھی ہو، قرآن مجید نے، اس موقع پر جو تعبیر اختیار فرمائی وہ ہے " استطاعت " آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسکی تشریح میں فرمایا کہ جس کو سواری اور ضروری اخراجات میسّر ہوں گویا کہ وہ حج کے سفر کی قُدرت رکھتا ہے، اور اُسکو حج کرنا چاہئے۔ کہتے ہیں کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کو کسی مذہبی امتیاز کے باوجود جمع فرمایا، اور فرمایا کہ خدا تعالےٰ نے اس بیت مقدس کا حج تمام انسانوں پر فرض کر دیا ہے لہٰذا تم سب کو حج کرنا چاہئے آپؐ کے اس ارشاد پر صرف مُسلمانوں نے ایمان اختیار کیا اور دوسری پانچ ملتیں انکار کرنے لگیں، بولے کہ جی نہیں نہ ہم آپؐ کے قبلہ کو اپنا قبلہ تسلیم کریں اور نہ حج کریں اور نہ کسی عبادت میں آپ کے ساتھ شرکت کریں۔ اُن کے اس بیان پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ جو شخص فرضیت حج کا انکار کرتا ہے یا باوجود استطاعت، حج نہیں کرتا تو خدا تعالےٰ کو کوئی پرواہ نہیں، اس لئے کہ وہ دونوں جہان سے بالکل بے نیاز ہے۔ مفسّرین نے اِن آیات کے متعلق لکھا ہے کہ آیات تو بہت مختصر ہیں لیکن طرح طرح کی وعیدات کو شامل ہیں چنانچہ شروع میں ارشاد ہوا کہ " لله على الناس حج البيت " اس سے معلوم ہوا کہ یہ خدا تعالیٰ کا خصوصی فریضہ ہے، جو بندوں پر عائد ہوا ہے، حج کی فرضیت کا مختصر ہونے کے باوجود انہیں آیات میں مکرّر تذکرہ آگیا، ایک اجمالاً پھر کچھ تھوڑی سی

تفصیل کے ساتھ، (۳) "من کفر" فرمایا گیا، حالانکہ "من لم یحج" بھی فرما سکتے تھے یہ اس لئے کہ معلوم ہو جائے کہ حج کی استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا کفر ہے۔ (۴) آخر میں فرمایا کہ اگر حج نہیں کرتے تو ہم کو کوئی ضرورت نہیں، یہاں استغنار کا تذکرہ بالکل ظاہر کرتا ہے کہ خدا تعالےٰ اس بندہ پر کتنے ناراض ہیں جو کہ حج کی فرضیت کے باوجود حج نہیں کرتا۔ (۵) پھر فرمایا کہ ہم "دونوں عالم" سے بالکل بے نیاز ہیں، حالاں کہ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اُس شخص کی ہم کو کوئی پرواہ نہیں جو فرضیت کے باوجود حج نہیں کرتا، ظاہر ہے کہ جب خدا تعالےٰ کو دونوں عالم سے مکمل بے نیازی حاصل ہے تو ایسے نابکار سے تو یقیناً بے نیاز ہوگا جو حج فرض بھی نہ کرسکا۔ اِس تعبیر سے جیسا کہ ہم نے لکھا استغنار کامل ٹپکتا ہے، معلوم ہوا کہ ترکِ حج کا جرم، جرم بھی اتنا بڑا ہے کہ خدا تعالےٰ اس پر جتنا بھی ناراض ہو جائیں کم ہے۔

اہلِ کتاب سے ایک سوال

ارشاد ہے کہ اے اہلِ کتاب تم اللہ تعالےٰ کی آیات کا کیوں اِنکار کرتے ہو حالاں کہ خدا تعالیٰ تمہارے اعمال کا مکمل جائزہ لے رہا ہے، تم کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور آپؐ کی نبوت صحیح طور پر، صحیح علامات کی روشنی میں معلوم ہو چکی، لیکن تم پھر بھی انکار ہی پر مُصر ہو یقیناً تم کو تمہارے ان تمام اعمال وافعال کی سزا دی جائے گی، اور ظاہر ہے کہ ہم تمہارے تمام ہی اعمال پر پوری طرح مطلع ہیں اسلئے کوئی بھی جرم ہم سے پوشیدہ نہ رہیگا اہلِ کتاب لوگوں کو اسلام کے قبول کرنے سے بہ شدت روکتے، اس پر فرمایا کہ تم خوب جانتے ہو کہ اسلام ایک سچا، دین ہے اور تم اس جرم کے گھناؤنے پن سے بھی بخوبی واقف ہو کہ کسی کو اسلام یا دینِ قدیم سے روکنا کتنا بڑا جرم ہے اور پھر بتاؤ تم اس جرم کے مرتکب کیوں ہو رہے ہو؟ تم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی صفات کو جو تمہاری مذہبی کتابوں میں موجود ہیں بدل کر گمراہی کا سنگِ میل بننا چاہتے ہو، اچھا تو یقین رکھو کہ تمہارے یہ سب اعمال ہماری نظر میں ہیں اور ہم ان کا بھرپور مواخذہ کرینگے۔

اوس وخزرج جو دو مشہور قبیلے تھے اُن کی باہمی آویزشیں، قتل وخونریزی کی سیاہ تاریخ کا ایک سفاکانہ باب ہیں، یہ اسلام کی برکت اور آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ جدوجہد کا خوشگوار نتیجہ تھا کہ یہ دونوں قبیلے صدیوں کی خوفناک جنگ وجدال کی تاریخ کو آہستہ آہستہ فراموش کر رہے تھے، یہودی جو مسلمانوں کی ایک متحدہ قوت کے وجود میں آنے کو، اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے، آپؐ کی ان کوششوں کو غلط نظر سے دیکھتے اور ہمیشہ اس کوشش میں رہتے کہ موقع ملے تو کسی طرح دو قبیلوں کے اس اتحاد کو پارہ پارہ کر دیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اوس وخزرج کے کچھ آدمی بیٹھے ہوئے، گفتگو کر رہے تھے کہ وہاں سے مشہور فتنہ ساماں یہودی "شماس بن قیش" گزرا، وہ یہ دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا اور دو پرانے دشمن قبیلے اور اس طرح شیر وشکر، اسلئے کم بخت نے ان نوجوان یہودیوں کو بلا کر کہا کہ جاؤ کسی طرح اُن سے جنگِ بعاث کے واقعات کا ذکر چھیڑو، وہ ان دونوں قبیلوں کی پرانی لڑائی کی ایک اشتعال انگیز داستان ہے، عجب نہیں کہ سُنکر ابھی دست وگریباں ہو جائیں اس بعاث کی لڑائی میں اوس وخزرج آپس میں بھڑ گئے تھے اور "اوس" کو فتح ہوئی تھی، اُس نوجوان نے آکر پہلے ادھر اُدھر کے قصے نکالے، اور پھر کسی نہ کسی طرح، بعاث کی مشہور لڑائی کا قصہ شروع کر دیا، خزرج نے جو یہ سُنا تو وہ مشتعل ہو گئے اور ان کے اشتعال پر اوس کو بھی طیش آگیا، چہار جانب سے دونوں قبیلوں کے آدمی جمع ہونے لگے، اور دیکھتے دیکھتے ہی ہتھیار نکل آئے، صفیں ایک دوسرے کے مقابل میں صحیح ہونے لگیں، قریب تھا کہ ایک دوسرے کے خون سے ہاتھ رنگین کریں کہ حسنِ اتفاق سے بہت جلد یہ خبر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو پہونچ گئی، آپؐ نہایت تیزی سے چند مہاجرین اور انصار کو ہمراہ

لئے ہوئے موقع پر تشریف لائے اور فرمایا کہ "لوگو! ابھی تو میں زندہ ہوں، افسوس کہ میری زندگی میں اور یہ خوفناک کھیل، لوگو! اسلام نے تمہارے میں محبت اور اُلفت پیدا کی لیکن آج تم پھر جاہلیت کی پگڈنڈیوں پر چلنے کے لئے تیار ہو، اسلام نے تم کو عزت دی تھی لیکن تم اپنے ان اعمال سے اُسی ذلت کی طرف لوٹ جانا چاہتے ہو جو جاہلیت کا لازمی نتیجہ ہے۔" اِس آواز کو سُنکر اوس و خزرج کے ہوش ٹھکانے آئے اور سمجھ گئے کہ واقعی شیطان کا فریب تھا جس میں ہم مبتلا ہو گئے تھے، روتے ہوئے ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور سب کو اپنی اِس غلطی پر بڑا رنج تھا۔ آیات نازل ہوئیں کہ اے مومنین! یاد رکھو اگر تم نے اہلِ کتاب کی بات کو مانا تو یقیناً تم کو اسلام کی دولت سے محروم کردیں گے، حیرت ہے کہ تمہارے درمیان پیغمبرؐ موجود ہیں، تمہاری زبانوں پر خدا تعالےٰ کا مقدس کلام جاری ہے، اور پھر تم، ایک یہودی کے اشتعال پر، اور اتنا خوفناک اقدام کرنے کے لئے تیار ہو گئے، یاد رکھو کہ اسلام دشمن جماعتوں کے چھل اور فریب سے بچنے کے لئے بہترین راہ یہی ہے کہ اللہ کے دین اور اس کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لو، انہیں کے احکام پر عمل کرو، اور کسی کی ہرگز نہ سُنو، اگر تم یہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو سیدھی راہ تم کو ملجائیگی ورنہ تو راہِ راست سے بہک جانے کا شدید خطرہ ہے لہ۔

لہ اِن آیات کا ماقبل سے ربط یہ ہے کہ سابقہ آیات یعنی تیسرے پارہ کے ختم پر کفار کا مسلسل تذکرہ تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ کُفر کے اِس ہیبتناک جرم کی خوفناک سزا سے اگر بچنا چاہتے ہو تو یہ اعمال اختیار کرو، اور یاد رکھو کہ کفر کے ہوتے ہوئے نہ کسی کی شفاعت کام دے گی نہ زر و جواہر کے انبار، رشوت میں دے کر تمہارے لئے کارآمد ہوں گے۔ اب لن تنالوا سے مُسلمانوں کے لئے جو اعمال مفید اور کارآمد ہیں انکو بتانا چاہتے ہیں "برّ" کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ یہ لفظ اپنے مفہوم لغوی کے اعتبار سے دین و دُنیا کی خیر پر حاوی اور شامل ہے، چنانچہ تاج العروس میں ہے کہ "البرّ خیر الدنیا والآخرۃ" اِسی طرح انفاق کا دامن بھی بہت وسیع ہے اور مطلب یہ ہے کہ خوشنودیٔ مولیٰ کو حاصل کرنے کے لئے جہاں اور جس موقع پر اور جب بھی خرچ کروگے خدا تعالےٰ کو اُس کا پورا پورا علم ہے۔ ابن العربی نے لکھا ہے کہ:- "ھی سبیل الخیر کلھا وھی الصحیح لعموم الآیۃ" فرمایا گیا کہ اپنی محبوب ترین چیز خرچ کروگے، محبوب ترین اشیاء کی فہرست میں وہ تمام چیزیں آتی ہیں جن میں انسان کے لئے کوئی بھی دلچسپی ہے مال، دولت، دھن، عزت، وقار، جاہ، منزلت، مرتبہ، اعزاز، اکرام، اولاد، بیوی، بچے، اعزہ و اقارب، غرضیکہ ہر چیز، اِسی لئے قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ "ای من المال او ما یعمہ وغیرہ کبذل الجاہ فی معاونۃ الناس والبدن فی طاعۃ اللہ وفی سبیلہ" مطلب یہ ہوا کہ دُنیا و آخرت کی خیر اور نیکی اُسوقت تک میسّر نہ آئے گی تاوقتیکہ اپنی محبوب چیز کو خدائے تعالیٰ کی راہ میں قربان نہ کردو، معاذ اللہ مطلب یہ نہیں کہ اگر کسی شخص کو اپنی اولاد سے محبت ہے تو وہ اُن کی گردنیں کاٹ دے اور کہے کہ یہی محبوب چیز تھی جسکو خدا کی راہ میں قربان کررہا ہوں، مطلب یہ کہ اولاد کا شدید تعلق، خدا تعالےٰ کے احکام کی ادائیگی میں مانع نہ ہو، اگر اولاد بھوک سے بلبلا رہی ہو تو ڈکیتی و چوری کرکے اُن کا پیٹ بھرنا جرم ہے، بس اولاد کے تعلق پر اور اُنکے اضطراب پر خدا تعالےٰ کے اس حکم کو مقدم رکھنا کہ چوری، خیانت، بددیانتی حرام ہے، محبوب چیز کو اللہ کی راہ میں قربان کردینے کے ہم معنی ہے۔ جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس طرح اپنی محبوب چیزوں کو خدا کی راہ میں قربان کیا، اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات ان آیات کا تعلق کسی خاص چیز سے نہیں بلکہ ہر ہی محبوب چیز سے سمجھتے تھے۔ آگے ارشاد ہوا کہ تمام کھانے بنو اسرائیل کے لئے حلال تھے، فقیر مترجم سمجھتا ہے کہ یہ اس لئے ارشاد فرمایا کہ ہر قوم کو اپنی غلط ہی صحیح، لیکن مذہبی روایات سے ایک شدید وابستگی ہوتی ہے، وہ اپنی روایات کو اس درجہ محبوب رکھتی ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صہ ۹۲) اُن سے دست بردار ہونے کے لئے کبھی تیار نہیں۔ بنو اسرائیل میں مشہور چلا آتا تھا، اُن پر بعض مخصوص ماکولات و مشروبات حرام ہیں، یہ ایک مذہبی روایت تھی، اور ظاہر ہے کہ اس سے ذہنی و عملی طور پر وہ کس قدر وابستہ ہونگے قرآن مجید نے برّ کا واضح مقصد ظاہر فرما کر توجہ دلائی کہ ایک غلط مذہبی روایت سے وابستگی جو تمہارے لئے سب سے زیادہ محبوب ہے دست بردار ہو جاؤ کہ یہی سب سے بڑی نیکی ہے، اور اس بات کی طرف آجاؤ جس کو تم اپنے نفوس کے خلاف سمجھتے ہو یعنی اسلام اور اسکے احکام خاکسار کی نظر میں، قرآن مجید ایک نہایت مربوط، مسلسل کلام ہے ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے احکام و ارشادات بے جوڑ ہیں، اسلئے برّ سے متعلق وضاحت کے بعد "کل الطعام" والی بات، بے ربط باتیں نہیں، بلکہ ایک مسلسل کلام ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس سورت کا ابتداء سے لیکر اب تک اکثر حصہ، اہل کتاب کی تردید انکے خیالات کی تغلیط، اور ان کی واہیات باتوں کی تکذیب میں صرف ہو رہا ہے، اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہے کہ خدا تعالے لوگوں کو ان کی نافرمانی، اور عصیاں کوشی پر پاکیزہ غذاؤں سے محروم کر دیتا ہے، یہ حرمت کبھی تو اس طرح ہوتی ہے کہ شریعت کے قانون کی حیثیت سے بعض غذاؤں کے استعمال پر قدغن لگا دیا جاتا ہے جیسا کہ یہود کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ غذاؤں کی فراوانی ہوتی ہے تو پھر خدا تعالے دیکھتے ہیں کہ قانون اور مذہبی حرمت کے بعد اُن چیزوں کا استعمال کرتے ہیں یا نہیں، اور جن زمانوں میں شریعت سازی منجانب اللہ نہیں ہو گی جیسا کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کا دور کہ دین مکمل ہو چکا، چیزوں کے حلال اور حرام ہونے کے فیصلے قیامت تک کے لئے ہو چکے، اگر ان زمانوں میں کوئی قوم، خدا تعالے کی نافرمانی کو اپنا طریقہ بنا لیتی ہے تو اُن کو بھی پاکیزہ اور طیّب، کھانوں سے محروم کر دیا جاتا ہے لیکن شریعت میں ترمیم و تنسیخ سے نہیں کہ اس کا تو اب کوئی امکان ہی نہیں رہا، بلکہ اس طرح کہ بارشیں نہیں ہوتیں، آفات ارضی و سماوی سے کھیتیاں برباد ہو جاتی ہیں، جانور ہلاک ہو جاتے ہیں، پھلوں کی فصل خراب ہو جاتی ہے گویا کہ موجودہ وقت میں قحط اور اس کے نتیجہ میں عمدہ غذاؤں سے کلیتہً محرومی خدا تعالے کی نافرمان زندگی کا ایک نتیجہ ہے، جب یہی باتیں یہود سے کہی جاتی ہیں اور اُن کو بتایا جاتا ہے کہ عمدہ غذاؤں سے اپنی عصیاں کوشی کی وجہ سے محروم ہو تو وہ تردید کرتے اور کہتے، کہ یہ حرمت تو ابراہیم علیہ السلام کے دور سے چلی آرہی ہے، ان آیات میں اُن کی اسی خیال کی مکمل تردید کی گئی ہے اور بتایا گیا کہ یہود کے لئے تمام غذائیں حلال و جائز تھیں بجز اُن چند غذاؤں کے جن کو یعقوب علیہ السلام نے بعض معالجاتی ضرورتوں کے ماتحت خود پر حرام کر لیا تھا۔ فی ظلال القرآن میں ہے کہ "فالآن یعرض السیاق لمسئلة اخرٰی من ھذا الطراز یعرض لمسألة ما حرّم الله علیھم فی التوراة تشدیدًا علیھم فی دینھم جزاءً علٰی ما کانوا یاتونه من عصیان وعنادھم یدعون انّ ھذا التحریم لم یکن لھٰذه الاسباب انما کان لانّ جدھم اسرائیل وھو یعقوب علیه السلام کان قد حرّم علٰی نفسه فبقی محرّمًا علٰی ابنائه"۔

روایات میں آیا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری تھی جس کی وجہ سے آپ نے اونٹ کا گوشت اور دودھ کا استعمال ترک فرما دیا تھا، ظاہر ہے کہ یہ بالکل ایک طبّی ضرورت تھی جس کا تعلق حرمت شرعی سے کوئی نہیں۔ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ "اشارت علیه الاطباء باجتنابه ففعل ذٰلك باذن من الله فھو کتحریم الله ابتداءً"

افسوس کہ بعض جاہل صوفیاء یہ سمجھ بیٹھے کہ بعض جائز غذاؤں کو بلا ضرورت چھوڑ دینا بھی قرب الٰہی کا باعث ہے، معاذ اللہ، کتنا غلط نظریہ ہے، ایسے ہی احمقوں کے متعلق جصاص نے لکھا ہے کہ "وفی ھٰذه الآیة دلالة علٰی بطلان (بقیہ بر صہ ۹۴)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳) قول المتعنين: من اکل اللحوم والاطعمۃ اللذیذۃ تزھدًا لأن اللہ تعالیٰ قد نھی عن تحریمھا۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ اُن سے کہیے کہ تورات لاؤ اور اس میں بتاؤ کہ، ان چیزوں کو استعمال کرنے کی ممانعت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کب کی گئی تھی، تورات میں تو آج بھی یہ موجود ہے کہ "وہ سب جیسے چلتے جانور تمہارے کھانے کے لئے ہیں میں نے اُن سب کو نباتات کی مانند تم کو دیا ہے" پیدائش ۹: ۳ اور اے یہود جبکہ بات صاف ہوگئی اِس لئے چیزوں کی حلت و حرمت کے بارہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرو اور ابراہیم علیہ السلام کے اس قبلہ کو بھی دین میں اصل کی حیثیت سے تسلیم کرو، جو پُوری دُنیا کے لئے مامن، مرکز التفات اور سینکڑوں مقدس نشانیوں کی ایک قدیم ترین یادگار ہے۔ خانہ کعبہ کی جیساکہ معلوم ہے کہ سب سے پہلے تعمیر حضرت آدمؑ نے کی، اور اس تعمیر کے انہدام کے بعد، دوبارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی جو آج تک قائم ہے۔ "وضع للناس" میں الناس کا لفظ قابلِ غور ہے بتاتا یہی ہے کہ یہی ابراہیمی یادگار کسی خاص قوم، فرقہ اور جماعت کے لئے نہیں بلکہ تمام انسانی کائنات کے لئے مخصوص ہے، یہ بات اور ہے کہ اپنی نادانی کی وجہ سے آج مسلمانوں کے علاوہ دوسری قومیں، اپنا قبلہ نہیں مانتیں۔ خانہ کعبہ جیساکہ قرآن مجید نے بتایا "اول بیتٍ" یعنی دُنیا کے اس بتکدہ میں خدا تعالیٰ کے مخصوص انوار و تجلیات کا پہلا اور قدیم مہبط ہے۔ احادیث میں بھی اِس مقام مقدس کی قدامت کے متعلق بکثرت صراحتیں موجود ہیں، چنانچہ قرطبی نے لکھا ہے کہ "مثبتا فی صحیح مسلم عن ابی ذرؓ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اوّل مسجد وضع فی الارض قال المسجد الحرام"، بکّہ، مکّہ ہی کا دوسرا نام ہے، عربی میں ایک قاعدہ ہے جس سے حرف "میم" اور حرف "ب" میں اکثر تبادلہ ہو جاتا ہے مثلاً "لازم" کو لازب کر لیتے ہیں، اسی طرح مکہ کو بکّہ کر لیا گیا لطف یہ ہے کہ بائیبل میں بھی ایک جگہ بکّہ کا تذکرہ آیا ہے، چنانچہ ہے کہ "وہ بکّہ کی وادی میں گذر کرتے ہوئے اُسے ایک کنواں بناتے" (زبور ۸۴: ۶) لیکن محرفین نے اپنی قدیم عادت کے مُطابق اس میں بھی تحریف کر ڈالی اور بجائے علم کے اس کو اسم نکرہ بناتے ہوئے بکّہ کا ترجمہ یہ کر ڈالا کہ "رونے کی وادی"۔ لیکن اب صدیوں کے بعد حق پھر قلم پر آیا اور جیوش انسائیکلوپیڈیا کے جدید نسخے میں لکھا گیا کہ "یہ ایک وادی غیر ذی زرع کا نام ہے" (جلد ۲ صفحہ ۴۱۵) انشاء اللہ اب اگلا قدم یہ بھی ہوگا کہ یہ موجودہ مکہ ہی کا نام ہے، وما ذلک علی اللہ بعزیز، مکہ معظمہ کی برکات مادی و رُوحانی پر تمام علمائے اسلام بلکہ پُوری اُمّت کا اتفاق ہے، اور جو حیرت انگیز نشانیاں یہاں موجود ہیں اُن سے دُنیا کی متبرک جگہیں بالکل خالی ہیں۔ صاحب مدارک نے "آیات بینات" کے تحت میں یہ بھی لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کے اُوپر سے جانور نہیں اُڑتے، یہ بالکل غلط ہے۔ الحمد للہ خاکسار کو گزشتہ سال ۱۳۸۷ھ میں زیارت حرمین کی سعادت میسّر آئی، خاص طور پر اس چیز کو معلوم کیا کہ آیا پرندے اُڑتے ہیں یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ کبوتر وغیرہ حرم کعبہ کے اُوپر سے پرواز کرتے ہیں۔ علامہ آلوسی نعمانی نے بھی رُوح المعانی میں اِس کی تردید کی ہے، خانہ کعبہ کی عظمت، طیّب غذاؤں کی حلت پر توجہ دلا کر، مُسلمانوں کو توجہ دلا دی کہ حقائق یہ ہیں جو بیان کئے گئے اب بھی اگر مکار کی ہفوات پر اعتماد کیا تو یہ اسلام ہی سے محروم کر دیں گے والعیاذ باللہ ۔

احادیث کی مشہور کتابوں کے اردو ترجمے اور شرحیں وغیرہ

بخاری شریف اردو مع عربی
تین جلدوں میں مکمل، مجلد، مع گرد پوش
قیمت پینتالیس روپے (ﻣﻠﻌﮧ) ——— ۴۵/

بخاری شریف صرف اردو
تین جلدوں میں مکمل مجلد، مع گرد پوش
قیمت چوبیس روپے (للعہ) ——— ۲۴/

ایضاح البخاری اردو
حضرت مولانا سید فخرالدین احمد شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیۃ العلماء ہند کے علمی جواہر پارے، عوام کے لئے مفید معلومات کا خزانہ، طلباء کے لئے درسی مشکلات کا بہترین حل، علماء کے لئے گرانقدر علمی ہدیہ، پانچ اجزاء پورے ہو چکے ہیں
فی جز دو روپے (عہ) ——— ۲/-

مشکوٰۃ شریف اردو مع عربی
تین جلدوں میں مکمل مجلد مع گرد پوش،
قیمت چوبیس روپے (للعہ) ——— ۲۴/

مشکوٰۃ شریف (صرف اردو)
دو جلدوں میں مکمل، مجلد مع گرد پوش۔ قیمت سولہ روپے — ۱۶/-

ترمذی شریف (اردو)
صرف اردو میں ہے، اور دو جلدوں میں مکمل ہے، مجلد مع گرد پوش قیمت — ۲۰/-

تجرید بخاری (اردو)
صرف اردو میں ہے، دو ہزار سے زیادہ احادیث کا گراں قدر مجموعہ مجلد مع گرد پوش قیمت — ۸/-

تفسیر بخاری (اردو مع عربی)
جدید حاشیے اور عام فہم تشریح، ہر ماہ الگ الگ پاروں میں چھاپا جا رہا ہے، اب تک ۱۴ پارے شائع ہو چکے ہیں، کتابت، طباعت، کاغذ عمدہ، قیمت فی پارہ — ۳/-

مظاہر حق جدید (اردو مع عربی)
مشکوٰۃ شریف کی اردو شرح، جدید اردو کے لباس میں، ہر ماہ الگ الگ پاروں میں جدید حاشیوں کے ساتھ چھپ رہی ہے، گیارہ پارے چھپ چکے ہیں۔ قیمت فی پارہ دو روپے ——— ۲/

مجموعہ دلائل الخیرات مترجم اردو محشی
حاشیہ پر کامل تفسیر مع سوانح عمری مصنف، آخر میں نسخہ صحیح حزب البحر مترجم، جس کے حاشیہ پر تفسیر اور طریقہ درود، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مع سوانحعمری مصنف اور پھر قصیدہ بردہ مترجم مع تفسیر وطریق اسناد و کامل بیان و سوانحعمری مصنف جس کے ابواب علی الترتیب قائم کئے گئے، وظیفے کی اس معتبر اور مشہور کتاب کو حال میں عمدہ طریقے پر شائع کیا گیا ہے۔ قیمت — ۳/-

عقائد نجدیہ وہابیہ اور علماء دیوبند
کیا دیوبندی وہابی ہیں؟
اس سوال کا جواب مدلّل، دیوبندیوں اور وہابیوں کے عقائد و اعمال کا مقابلہ۔ قیمت ۱۲ — ۷۵/

مناجات مقبول مکمل (کلاں)
آپ کی دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟ اس لئے کہ آپ دعا مانگنے کے طریقوں سے ناواقف ہیں، لہٰذا اس کو جاننے کے لئے مناجات مقبول کا مطالعہ کیجئے، جس کی تمام دعائیں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ماخوذ ہیں۔ قیمت مجلّد دو روپے — ۲/-

بدعت کیا ہے؟
بدعت و معصیت کے رد میں ایک عظیم کتاب، جو قرآن و حدیث اور عقل و منطق کے اٹل دلائل کے ذریعہ صحیح ترین اسلامی عقائد کو واضح کرتی ہے، عرس قوالی، تیجہ و چہلم وغیرہ تمام بدعات کیلئے ضرب کلیم۔ قیمت مجلّد تین روپے — ۳/-

۱۸۵۷ء اور جانبازانِ حریت!

از حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔ بطور مجاہد معرکۂ شاملی میں! "علمائے ہند کا شاندار ماضی" کی جلد چہارم، اکابر دیو بند کی زندگی کا نیا رُخ پیش کرتی ہے۔ عمدہ کتابت طباعت نفیس کاغذ، قیمت مجلد سات روپے ۵۰ پیسے

طریقۂ تعلیم

ترجمہ مولانا انظر شاہ کشمیری، علم حاصل کرنے کے مختلف طریقے قوتِ حافظہ بڑھانے اور بھول سے بچنے کی تدبیریں، عمر میں اضافہ اور کم عمری کے اسباب، کسب حلال کے راستے، اساتذہ وطلبہ اور عوام کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ قیمت ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے۔

لطائف علمیہ

عظیم محدث ابن الجوزی کی شہرۂ آفاق تالیف کتاب الاذکیاء کا سلیس اُردو ترجمہ۔ اس نادر کتاب میں عقل، فراست اور علم وذکاوت کے دلچسپ ترین لطائف جمع کئے گئے ہیں۔ قیمت مجلد پانچ روپے ۵/-

حیاتِ صحابہؓ اُردو

تالیف مولانا محمد یوسف صاحب امیر تبلیغی جماعت دہلی۔ ترجمہ اُردو مولانا صلاح الدین ناصر صاحب انصاری فاضل دیوبند۔ صحابۂ کرامؓ کی پاک اور زاہدانہ زندگیوں کا قلمی عکس، اُن جلیل القدر مسلمانوں کے سیرت وکردار کی بے مثال تفصیل، جو انوارِ نبوتؐ سے براہ راست فیض یافتہ تھے، زبان وبیان نہایت سادہ اور صاف وشستہ، معیاری کتابت وطباعت اور کاغذ مع ٹائٹل کور، قیمت ۳/۵۰

سیرت خاتم الانبیاءؐ

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر مگر جامع ومانع سوانح عمری، مختصر ہونے کے باوجود کوئی اہم واقعہ نظر انداز نہیں ہوا، نیز مسئلہ جہاد تعدادِ ازواج اور واقعہ معراج پر سیر حاصل بحث اور شبہات کے محققانہ جوابات، کتابت طباعت کاغذ عمدہ۔ قیمت ایک روپیہ ۲۵ نئے پیسے ۱/۲۵

مواعظ تبلیغ

حضرت تھانویؒ کے نایاب مواعظ کی قسط وار اشاعت ہر قسط عمدہ کتابت و طباعت اور خوبصورت ٹائیٹل کے ساتھ آراستہ قیمت فی جلد ۲/

سوانح ابوذر غفاریؓ

حضرت ابوذر غفاری کی زاہدانہ زندگی، سیرت رسولؐ کا اتباع اور عشقِ نبویؐ کا تذکرہ۔ قیمت مجلد ایک روپیہ ۱/-

المصالح العقلیہ اردو

از حضرت تھانویؒ۔ اس کتاب میں واضح دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ شریعت کے تمام احکام عقل سلیم کے مطابق ہیں اور انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہیں، جو لوگ دین کی فطری پابندیوں کو خلاف عقل اور جبر محض قرار دیتے ہیں یہ اُن کی فراری ذہنیت کے سوا کچھ نہیں، مجلد مع گردپوش ۴/۵۰

مواعظ دعوات عبدیت

حضرت تھانویؒ نے اُمت کی اصلاح کے لئے تقریباً چار سو مواعظ بیان فرمائے ہیں جن کے مطالعہ سے علوم قرآنی کے حقائق، حدیث نبویؐ کے نکات، مسائل فقہی کے رموز اور موجودہ مشکلات کی پیچیدگیاں آپ پر کھلتی جائیں گی۔ قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۲/- ۱/۷۵

وجد وسماع

از شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ۔ گانا۔ بجانا۔ قوالی عرس وغیرہ کے بارہ میں ضروری گفتگو، موجودہ دور میں انتہائی ضروری قیمت ۱/

ملنے کا پتہ

خضرِ راہ بُک ڈپو، دیوبند (یو.پی)